اسلام میں علم کا مقام و مرتبہ

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

مجلس نشریات اسلام
۱-کے-۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد نمبر ۱ کراچی ۷۴۶۰۰

فلسفۂ علم اور تجدید علم پر اپنی نوعیت کی اوّلین کتاب

اسلام میں
علم کا مقام و مرتبہ

علم کی فضیلت، اس کے شرور و آفات، اس کی تجدید و اصلاح اور قرآنی علوم کی نشر و اشاعت کا بیان

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

مجلس نشریات اسلام ۱۔ کے۔ ۳، ناظم آباد مینشن ناظم آباد نمبر ۱ کراچی ۲۶

کتبخانہ ادارہ غفران
گلی نمبر 17 چاہ سلطان راولپنڈی
فون نمبر 507530

نام کتاب	اسلام میں علم کا مقام و مرتبہ
تصنیف	مولانا محمد شہاب الدین ندوی
طباعت	شکیل پرنٹنگ پریس کراچی
اشاعت	۱۹۹۴ء
ضخامت	۱۶۰ صفحات

ٹیلیفون
۶۲۲۸۱۷

باشتراک و تعاون
فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور

ناشر
فضل ربی ندوی

مجلس نشریاتِ اسلام ۱ کے – ۳ ناظم آباد مینشن ناظم آباد ۱ کراچی ۱۸

FRI: 930 P.M

وہ کتاب
جو قوموں کے عروج و زوال کا باعث ہے

اِنَّ اللہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَاماً وَّیَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن مجید) کے ذریعہ چند قوموں کو اُوپر اُٹھائے گا (جو اسے اپنائیں) اور اس کے ذریعہ دوسروں کو پست کردے گا (جو اس سے منہ موڑلیں)۔ (ابن ماجہ و دارمی)

اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمْ کِتَابَ اللہِ ھُوَ حَبْلُ اللہِ۔ مَنِ اتَّبَعَہٗ کَانَ عَلَی الْھُدٰی۔ وَمَنْ تَرَکَہٗ کَانَ عَلَی الضَّلَالَۃِ: رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میں نے تم میں اللہ کی کتاب چھوڑی ہے، جو اللہ کی رسّی ہے۔ جس نے اس کتاب کی اتباع کی وہ ہدایت پاگیا اور جس نے اسے ترک کردیا تو وہ گمراہی کے راستے پر چل پڑا۔ (صحیح ابن حبان)

وَقَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ کِتَابَ اللہِ: رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میں نے تمہارے درمیان اللہ کی کتاب چھوڑی ہے، جب تک تم اسے مضبوطی سے پکڑے رہوگے کبھی گمراہ نہ ہوسکوگے۔ (صحیح مسلم)

مَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَعَلَیْہِ بِالْقُرْآنِ، فَاِنَّ فِیْہِ خَبَرَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ: جسے علم کی جستجو ہو اُس پر قرآن کا مُطالعہ لازم ہے۔ کیونکہ اس میں گزرے ہوئے اور آنے والے تمام لوگوں کی خبریں (اور ان کے تذکرے) موجود ہیں۔ (سنن سعید بن منصور)

فَاِنَّ ھٰذَا الْقُرْآنَ سَبَبٌ طَرَفُہٗ بِیَدِ اللہِ وَطَرَفُہٗ بِاَیْدِیْکُمْ، فَتَمَسَّکُوْا بِہٖ، فَاِنَّکُمْ لَنْ تَضِلُّوْا وَلَنْ تَھْلِکُوْا بَعْدَہٗ اَبَداً: رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ یہ قرآن ایک رسی ہے جس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ تو تم اسے مضبوطی سے پکڑلو۔ کیونکہ تم اس کے بعد نہ تو گمراہ ہوگے اور نہ کبھی ہلاک ہوسکوگے۔ (صحیح ابن حبان)

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدّمہ

اسلام میں علم کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے۔ کیونکہ علم ہی وہ چیز ہے جو انسان کو اچھائی اور بُرائی، نیکی و بدی اور خیر و شر میں تمیز کرنا سکھاتی ہے اور اُسے غلط راہوں کی طرف نکلنے سے روکتی ہے۔ اور پھر علم اگر صحیح نہ ہو تو دین بھی غلط ہو جائے گا اور لوگوں کے سارے اعمال اکارت ہو جائیں گے۔ کیونکہ خدا کی مرضی اور اُس کے احکام کو جاننے اور اُس کی ممنوعات سے رُکنے کا واحد ذریعہ علم ہے۔ لہٰذا اگر علم غلط ہو جائے تو پھر لوگوں کے اعمال بھی غلط ہو جائیں گے۔

غرض خدا کی پہچان اور خدا کے احکام کو جاننے اور معلوم کرنے کا واحد ذریعہ علم ہے۔ اسی بنا پر اسلام میں علم کی بہت زیادہ فضیلت و تاکید آئی ہے، اس کی تحصیل پر لوگوں کو اُبھارا گیا ہے اور اس کی نشر و اشاعت کی ترغیب مختلف حیثیتوں سے دی گئی ہے۔ تاکہ اس کی اہمیت و افادیت اچھی طرح لوگوں کے ذہن نشین ہو جائے۔ اور ہر کس و ناکس کے لئے حصولِ علم کی راہیں آسان ہو جائیں۔ بالفاظِ دیگر علم کی تعلیم و تدریس اور اُس کی نشر و اشاعت اس طرح ہو کہ اُس کی پہنچ ہر شخص کے لئے آسان ہو جائے اور کوئی بھی شخص علم یا خیر و شر میں تمیز سے محروم نہ رہ جائے۔ اس کے برعکس دُنیا کے بہت سے مذاہب اور بہت سی قوموں نے علم کو طبقاتی اور خاندانی دائروں میں محدود کر کے اس کی اشاعت پر سخت پابندیاں عائد کر دی تھیں۔ چنانچہ قدیم ہندو سماج کے مُطابق برہمنوں کے ہاں یہ قانون تھا کہ اگر کسی شُودر (ہریجن) کے کانوں میں وید کے الفاظ اُس کے قصد و ارادہ کے بغیر بھی پڑ جائیں تب بھی اُس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جائے۔ اور عیسائی مذہب میں انجیل کی شرح و تفسیر کرنا صرف پوپ کا حق قرار دیا گیا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ دوسروں کا فہم ناقص ہے اور وہ کسی بھی حال میں پوپ کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور اس کا دوسرا مقصد محض سیاسی تھا کہ کوئی بھی شخص پوپ کی شرح و تفسیر سے انحراف کی جرأت نہ کر سکے اگرچہ عقلی اعتبار سے وہ کتنی ہی غلط اور مہمل کیوں نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ عوام پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے اور

حکومت کی باگ ڈور پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کا یہ ایک حربہ تھا۔ اسی طرح یہودی قوم بھی علم کو چھپانے اور حق و ناحق کو خلط ملط کرکے دجل و تلبیس پیدا کرنے کی راہ میں بہت زیادہ بدنام رہی ہے۔

غرض دُنیا کی ہر قوم اور ہر ملّت نے حق و باطل کو گڈمڈ کرنے اور مخلوقِ خُدا کو گمراہ کرنے میں بہت بڑا رول ادا کیا ہے۔ اس کے برعکس اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے حصولِ علم اور اُس کی ترویج و اشاعت کو نہ صرف ایک افضل ترین عمل قرار دیا ہے بلکہ علم کو چھپانے اور لوگوں کو صحیح بات نہ بتانے والوں کو سخت ترین سزا کا مستحق قرار دیتے ہُوئے اس طرح کا فیصلہ سنایا ہے: "جو شخص سوال کئے جانے پر کسی بات کو چھپائے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُسے آتشین لگام پہنائے گا۔"

اس تعلیم ہی کا نتیجہ تھا کہ اہلِ اسلام نے علم کی اشاعت کی راہ میں تاریخ ساز خدمات انجام دیتے ہُوئے بے شمار مدرسے، مکاتب، کتب خانے اور یونیورسٹیاں قائم کیں اور پُوری دنیا میں علم کا جال بچھا دیا۔ چنانچہ موجودہ دور میں علم ایک آزاد ادارہ کی حیثیت سے جو ترقی کر رہا ہے وہ سب اسلام ہی کی تعلیم و تلقین کا نتیجہ ہے۔ ورنہ اہلِ مذاہب نے تو اس کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا تھا۔

علم درحقیقت دین کا محافظ و پاسبان ہے۔ اس لئے اسلام میں علم کے حصول کی ترغیب و تحریص جس انوکھے انداز میں کی گئی ہے وہ بلاشبہ اُس کی ایک نمایاں ترین خصوصیت ہے، جس کی ادنا سی جھلک بھی ہمیں دیگر مذاہب میں نہیں ملتی۔ علم کی تحصیل، اُس کی تعلیم و تدریس اور اُس کی نشر و اشاعت کی ترغیب اسلام میں بڑے ہی انوکھے انداز میں دلائی گئی ہے اور بڑے مؤثر انداز میں اس پر اُبھارا گیا ہے۔ کیونکہ اسلام دُنیا کا آخری مذہب اور قرآن مجید آخری آسمانی کتاب ہے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ اس کی تعلیمات بغیر کسی کھوٹ اور آمیزش کے قیامت تک اپنی صحیح حالت پر باقی رہیں اور اس کا فیض ہر خاص و عام کے لئے جاری رہے۔ ورنہ یہودیت و عیسائیت کی طرح یہ دین بھی خلط ملط ہو کر اپنی افادیت کھو دیتا۔ لہٰذا دین کی ابدیت اور اُس کا استحکام علم کے خالص اور آمیزش سے پاک رہنے پر موقوف ہے۔ اور اس کا بار بوجھ علمائے حق کے کندھوں پر ڈالا گیا ہے کہ وہ ہر دور میں علم کے کھوٹے سکّوں کو الگ کرکے علم خالص کی ترویج و اشاعت کرتے رہیں اور عصری علوم کے مقابلے میں علم دین کی برتری ثابت کرکے عالم انسانی کی صحیح قیادت کریں۔

اسلام میں جس طرح علم کی فضیلت اور اُس کے آداب بیان کئے گئے ہیں اسی طرح علم کے فتنے اور اُس کی آفتوں کا بیان بھی پوری تفصیل سے موجود ہے، جو اس راہ میں کام کرنے والوں کے لئے تازیانوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اہلِ علم کو بہکنے یا غلط راہوں کی طرف نکلنے کا موقع نہ ملے، بلکہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہُوئے اُنہیں پُوری طرح ادا کرنے کی کوشش کریں۔ ان دونوں قسم کے بیانات (جو اس کتاب میں دو ابواب کی شکل میں موجود ہیں) سے اسلام میں علم کی حقیقت اور اُس کے فلسفے پر پوری طرح روشنی پڑ جاتی ہے کہ وہ دیگر فلسفوں اور نظاموں کے برعکس اہلِ علم کو پُورے اخلاص اور بے نفسی کے ساتھ اس راہ میں کام کرنے اور ہر قسم کے دُنیوی مقاصد کو ترک کرنے پر زور دیتا ہے، تاکہ علم اور اہلِ علم کا معیار و مرتبہ اُونچا ہو سکے اور اس کے تقدس پر کسی قسم کی آنچ نہ آ سکے۔ جب کہ موجودہ دور میں علم کو تجارت اور دُنیوی منفعت کا ایک ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے۔ اور اس سلسلے کے خالص دینی و خدائی مقاصد پسِ پُشت ڈال دئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج علم کی وہ قدر و منزلت باقی نہیں رہی جو کسی دور میں اس کا خاصہ سمجھی جاتی تھی۔ آج ہر چیز میں کھوٹ اور آمیزش آ گئی ہے۔ لہٰذا علم کے حقیقی علمبرداروں کا فریضہ ہے کہ وہ اس کھوٹ اور آمیزش کو دُور کرکے اُسے ایک چشمۂ صافی کی طرح رواں دواں رکھیں۔

قرآن حکیم ہمارے تمام دینی و شرعی اور فکری و تمدنی مسائل و معاملات میں مرکز و محور کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ہمارے تمام پیش آمدہ مسائلِ حیات کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک جامع اور ابدی کتابِ زندگی ہے جو ہر دور میں انسانوں کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ کیونکہ اس کے اُتارنے والے کا علم ماضی، حال اور مستقبل کے تمام ادوار کا یکساں طور پر احاطہ کئے ہُوئے ہے۔ اور اسی بنا پر اس میں ہر دور کے مسائل کا حل سمو دیا گیا ہے تاکہ وہ ہر دور کے انسان کے لئے رہنما بن سکے۔ مگر یہ ہماری انتہائی بدقسمتی ہے کہ ہم نے اس کتابِ ہدایت اور کتابِ زندگی سے رہنمائی حاصل کرنا اور مسائلِ حیات میں اس کی طرف رجوع کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اسی بنا پر آج مسلمان حیران و پریشان ایک دوراہے پر کھڑے ہُوئے منزل کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں۔ منزل تو بالکل سامنے ہے جس کا نقشہ و خاکہ اس کتابِ ہدایت میں درج کر دیا گیا ہے۔ مگر اس کتاب سے چونکہ ہم نے اپنا رشتہ توڑ لیا ہے لہٰذا آج وہ ہمارے لئے بالکل ایک اجنبی کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ جب تک یہ صورتِ حال نہیں

بدلے گی ہمارے مسائلِ زندگی حل نہیں ہو سکیں گے۔ ہم اپنی علمی و تعلیمی زندگی میں اس کتابِ خداوندی کے ساتھ جب تک اچھوتوں کا سا برتاؤ کرتے رہیں گے ہماری گمراہیوں میں برابر اضافہ ہوتا جائے گا۔ اگر ہمیں ملتِ اسلامیہ میں انقلاب لانا ہے اور اس کے تنِ مردہ میں زندگی کی روح پھونکنا ہے تو پھر اپنی علمی و تعلیمی زندگی میں کتاب اللہ کو بنیادی مقام و مرتبہ دینا ہوگا اور اس کی تعلیم و تدریس پر خصوصی توجہ مبذول کرنی ہوگی۔ کتابِ الٰہی کو محض طوطے مینے کی طرح رٹ لینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ اسے سمجھ کر پڑھنا اور اسے اپنے دل و دماغ میں اُتار لینے کی ضرورت ہے۔ تاکہ ہماری اجتہادی قوتیں پھر سے بیدار ہوں اور ہم اپنے مسائلِ حیات کو حل کرنے کی پھر سے استعداد پیدا کر سکیں۔ واقعہ یہ ہے کہ دینی و دنیوی ہر اعتبار سے خفتہ اور اجتہادی قوتوں کو بیدار کرنا کتابِ الٰہی میں دسترس اور اُس کے معانی و مطالب پر عبور حاصل کئے بغیر ممکن نہیں۔ جب تک یہ استعداد پیدا نہ ہو مسلمان قوم ہمیشہ "نابالغ" رہے گی اور وہ اپنے مسائلِ حیات کو اپنے ناخنِ تدبیر سے (وحیِ الٰہی کی روشنی میں) کبھی حل نہیں کر سکے گی۔

موجودہ دور میں علم کی قدریں بدل گئی ہیں اور اس کا چہرہ غبار آلود ہو گیا ہے۔ لہٰذا آج علم کا تزکیہ اور اُس کی اصلاح و صفائی بہت ضروری ہے۔ اور اس کے لئے ایک وسیع آپریشن کی ضرورت ہے۔ تاکہ اس میں جو کھوٹ سرایت کر گیا ہے وہ دور ہو اور اُس کا حقیقی چہرہ ایک آئینۂ صافی کی طرح دُنیا والوں کی نظر میں آ جائے دُنیوی منافع کا حصول اگرچہ اُصولاً غلط نہیں ہے مگر انہیں دین کے تابع ہونا چاہئے۔ مقصودِ اصلی محض رضائے الٰہی کا حصول ہو۔ جب تک یہ مقصد پیشِ نظر نہ ہے علم کا مرتبہ بلند نہیں ہو سکتا۔

اس لحاظ سے ضروری ہے کہ علم اور اُس کی تحصیل کے سلسلے میں اسلامی اُصول و آداب اور اُس کی شرائط کا جو بیان مختلف احادیث و آثار میں موجود ہے انہیں جدید انداز میں مرتب کر کے شائع کیا جائے تاکہ اس سے طالبانِ علم کی اصلاح اور اُن کی نیت کی درستی عمل میں آ سکے۔ اور اہلِ دنیا کو معلوم ہو کہ اسلام میں علم کا صحیح مقام و مرتبہ کیا ہے؟

اسی غرض و غایت کے پیشِ نظر اس موضوع پر قرآن اور حدیث میں علم کی فضیلت، اُس کے مقام و مرتبے اور اُس کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں جو فضائل مذکور ہیں، نیز اسی طرح علم کے جو فتنے اور اس راہ کی جو آفتیں ہیں جن کی وجہ سے علم مفید ہونے کے بجائے مُضر اور نقصان دہ بن سکتا ہے، ان سب اُمور و

مسائل کو مفید اور نئے عنوانوں کے تحت ایک نئے انداز میں مرتب کر کے پیش کیا جا رہا ہے، تاکہ علم کی ایک صحیح اور سچی تصویر دنیا والوں کے سامنے آ جائے اور لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ صحیح علم اور اُس کی حقیقت کیا ہے؟ علم کی یہ صحیح اور سچی تصویر آج کرۂ زمین پر صرف اسلام ہی پیش کر سکتا ہے جو ابدی دین اور ابدی حقائق کا حامل ہے۔ ورنہ دیگر مذاہب میں اس قسم کا کوئی تصور ہی نہیں ملتا۔

غرض ان حقائق کے ذریعہ طالبینِ علم کو اُن کی صحیح ذمہ داریوں کا احساس دلانا اور علم کا تزکیہ اور اُس کی تطہیر کرنا مقصود ہے۔ جو تمام مذاہبِ عالم بلکہ دنیا بھر کے تمام فلسفوں میں ایک انوکھی اور نرالی چیز ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ علم سے متعلق اتنے سچے اور حقیقی تصورات دنیا کے کسی بھی مذہب اور کسی بھی فلسفے میں پائے نہیں جاتے بلکہ وہ اسلام ہی کی بے نظیر تعلیمات کا حصہ دکھائی دیتے ہیں۔ اور اس اعتبار سے اسلام کی ہر چیز انوکھی اور نرالی ہے جو ابدی سچائیوں پر مشتمل فکرِ انسانی کو مہمیز لگانے والی ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسلام نے دُنیا والوں کے سامنے صرف صحیح اور سچا علم ہی پیش نہیں کیا بلکہ علم کی تنقیح اور اُس کی تجدید پر بھی زور دیا ہے اور اُس کی اصلاح کے طور طریقے بھی بتائے ہیں، تاکہ ہمیشہ اُس کا آپریشن ہوتا رہے اور اُس میں جو فاسد مواد سرایت کر چکا ہو وہ باہر نکل جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ سارے انتظامات ایک ابدی دین و مذہب ہی کر سکتا ہے۔ ورنہ اس قسم کی پیش بندیاں کسی مؤقت یا عارضی دین و مذہب میں ہرگز پائی نہیں جا سکتیں۔ اسلام کے دائمی ہونے کی یہ بھی ایک مضبوط ترین دلیل ہے۔ بہرحال اسلام میں ہر دَور کے تقاضوں کے مطابق رہنمائی کرنے کی جو صلاحیت ہے اُس کے مطابق یہ بھی اُس کی ایک نمایاں ترین صفت ہے کہ وہ ہر دور میں پیش آنے والے علمی فتنوں اور علمی آفات کے پیشِ نظر نوعِ انسانی کے علمی تزکیہ اور علمی تطہیر کی غرض سے ایک ایسی جماعت تشکیل دینے کی ضرورت پر زور دیتا ہے جو کسی بھی دنیوی غرض و غایت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے محض علم کی صحیح نشر و اشاعت اور حق و باطل کی تنقیح کی غرض سے باطل فتنوں کے مقابلے میں سینہ سپر ہو جائے۔ تاکہ ہر دور میں نوعِ انسانی کی صحیح رہنمائی کا کام انجام پاتا رہے۔ ظاہر ہے کہ ہر دور میں اس قسم کے تجدیدی عمل کی ضرورت رہتی ہے، تاکہ لوگ حق و باطل میں صحیح تمیز کر سکیں، اور ان پر خدائی ہدایت کبھی مشتبہ ہونے نہ پائے، بلکہ اس کی حیثیت ہمیشہ ایک آئینۂ مصفّیٰ کی طرح رہے۔ لہٰذا ہر دور میں ایسی صفات سے متصف علماء کی

ایک جماعت رہنی ضروری ہے۔

بہرحال اگلے صفحات میں چند قرآنی آیات کے علاوہ مختلف احادیث و روایات کا ایک انتخاب پیش کیا جا رہا ہے۔ جس کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگا کہ اسلام کی نظر میں علم کی صحیح قدر و منزلت کیا ہے اور حاملینِ علم یعنی علماء کو کن کن صفات سے متصف اور کن کن اُمور سے اجتناب کرنا چاہیے۔

آخر میں قرآنِ مجید کے صحیح مقام و مرتبے اور قرآنی علوم و معارف کی نشر و اشاعت کی اہمیت و افادیت پر بھی ایک باب موجود ہے جو اس سلسلے میں سب سے زیادہ اہم اور خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ کیونکہ قرآنِ مجید حقیقتاً مسلمانوں کے عروج و زوال کا باعث ہے۔ جو قوم اُسے اپنائے گی وہ بامِ عروج پر پہنچے گی اور جو اُسے پسِ پُشت ڈال دے گی وہ ذلیل و خوار ہو جائے گی۔

خادمِ قرآن

محمد شہاب الدین ندوی

۲۲/ذی قعدہ/۱۴۰۹ھ

۲۷/۶/۱۹۸۹ء

اسلام میں علم اور تعلیم کی فضیلت

اور اُس کے اُصول و آداب

اہلِ علم کا درجہ بہت بلند ہے

قرآن اور حدیث کی رُو سے علم اور اہلِ علم کا درجہ بہت بڑا ہے۔ چنانچہ کوئی بھی شخص دین یا دنیا کے کسی بھی دوسرے شعبے میں ترقی کرکے ایک عالم کے مقام و مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ : اللہ ہی اُن لوگوں کے درجے بلند کرے گا جو تم میں ایمان والے اور علم والے ہیں۔ (مجادلہ : ۱۱)

حضرت ابنِ مسعودؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہلِ علم کی فضیلت بیان کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن اہلِ ایمان پر اہلِ علم کا مرتبہ اور اُن کے درجات بلند کرتا ہے جو اہلِ علم نہیں ہیں، جب کہ وہ خُدا کے حکموں پر چلیں۔[1]

اس اعتبار سے اہلِ علم کا درجہ اہلِ ایمان سے بھی بڑا ہے۔ اور جیسا کہ اگلے صفحات میں مذکور حدیثوں میں تفصیل آئے گی عالم کا مرتبہ ایک عابد پر بالکل اسی طرح ہے جس طرح چاند کی فضیلت ستاروں پر۔[2] نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین قسم کے لوگ شفاعت کرنے والے ہوں گے : انبیاء، علماء اور شہداء۔[3]

اللہ سے اہلِ علم ہی ڈر سکتے ہیں

اہلِ علم کا مرتبہ دیگر لوگوں سے اس بنا پر زیادہ بڑا ہے کیونکہ علم ہی وہ روشنی اور رہنما

---

[1] ماخوذ از تفسیر قرطبی، ۲۹۹/۱۷

[2] جامع ترمذی، کتاب العلم، ۴۹/۵، مطبوعہ بیروت۔

[3] کنز العمال، ۸۶/۱۰، مطبوعہ حیدرآباد۔

ہے جو انسان کو کائنات کی حقیقت اور اُس کی غرض و غایت سے آگاہ کرتے ہُوئے خُدا کی صحیح معرفت کا حامل بھی واضح کرتا ہے۔ اسی بنا پر قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ سے ڈرنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اُس کی صحیح معرفت رکھنے والے ہوں۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا : اللہ سے اُس کے بندوں میں علم والے ہی ڈرتے ہیں۔ (فاطر : ۲۸)

اس آیتِ کریمہ میں علماء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کی قدرت سے ڈرنے والے ہوں، جس شخص کو علم ہوگا کہ اللہ قُدرت والا ہے وہ گناہ پر سزا دہی کا یقین کرے گا۔ اس لحاظ سے مختلف روایتوں میں آتا ہے کہ جو شخص اللہ سے نہیں ڈرتا وہ عالم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ عالم وہ ہے جو اللہ سے ڈرنے والا ہو۔[4]

اس اعتبار سے خشیتِ الٰہی یعنی خوفِ خُدا سے محرومی علم سے محرومی کی دلیل ہے۔ جیسا کہ مسروق فرماتے ہیں :

كَفٰى بِالْمَرْءِ عِلْمًا اَنْ يَّخْشَى اللّٰهَ وَكَفٰى بِالْمَرْءِ جَهْلًا اَنْ يُّعْجَبَ بِعَمَلِهٖ :

کسی شخص کے علم کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتا ہو۔ اور کسی شخص کی بے علمی کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ اپنے عمل پر ناز کرتا ہو۔[5]

حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام اپنی دُعا میں یوں فرمایا کرتے تھے :

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ ، تَعَالَيْتَ فَوْقَ عَرْشِكَ ، وَجَعَلْتَ خَشْيَتَكَ عَلٰى مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ، فَاَقْرَبُ خَلْقِكَ مِنْكَ مَنْزِلَةً اَشَدُّهُمْ لَكَ خَشْيَةً ، وَمَا عِلْمُ مَنْ لَّمْ يَخْشَكَ ، وَمَا حِكْمَةُ مَنْ لَّمْ يُطِعْ اَمْرَكَ : اے اللہ تُو پاک ہے، تُو میرا رب ہے۔ تُو اپنے عرش پر بلند ہے اور اپنی خشیت زمین اور آسمانوں کی مخلوق پر ڈال چکا ہے۔ لہٰذا تیری مخلوق میں تجھ سے زیادہ قریبی مرتبے والا وہ ہے جو سب سے زیادہ تجھ سے ڈرنے والا ہو۔ اور وہ شخص

---

[4] ماخوذ از تفسیر قرطبی

[5] سُنن دارمی، مقدمہ ۱/۱۰۶، مطبوعہ بیروت

علم سے بالکل محروم ہے جو تجھ سے نہ ڈرتا ہو۔ اور جو تیری اطاعت نہ کرتا ہو وہ دانائی سے بالکل کورا ہے۔[6]

عالم اور جاہل دونوں برابر نہیں ہو سکتے

واقعہ یہ ہے کہ علم ایک نُور ہے اور جہل تاریکی و ظُلمت۔ تو جس طرح نور اور ظُلمت یا روشنی اور تاریکی دونوں برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح ایک عالم اور جاہل دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ بے علم شخص دُنیوی اعتبار سے کتنے ہی اونچے مرتبے پر فائز یا کتنا ہی بڑا مالدار کیوں نہ ہو۔ ایک بے علم شخص محض اپنے جاہ و جلال اور مال و دولت کے بل بوتے پر ایک عالم کے برابر ہرگز نہیں ہو سکتا۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ : کہہ دو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہو سکتے ہیں ؟ (زمر : ۹)

اسی معنی میں حسبِ ذیل آیتِ کریمہ بھی ہے کہ ایک اندھا اور ایک آنکھوں والا شخص دونوں برابر نہیں ہو سکتے :

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۚ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ : کہہ دو کیا اندھا اور آنکھوں والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں ؟ تم غور کیوں نہیں کرتے ؟ (انعام : ۵۰)

عالم اور مُعلّم کا مرتبہ

ایک حدیث کے مُطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کو بارش اور دین کی سمجھ رکھنے والے علماء اور معلّموں کو سرسبز و شاداب زمینوں سے تشبیہ دیتے ہُوئے ایک مثال کے ذریعہ لوگوں کی تین قسمیں قرار دی ہیں جو اس طرح ہیں :

مَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْهُدٰى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيْرِ ، اَصَابَ اَرْضًا فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ فَاَنْبَتَتِ الْكَلَاَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيْرَ ۔ وَكَانَتْ مِنْهَا اَجَادِبُ اَمْسَكَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ ، فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا ۔ وَاَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةً اُخْرٰى ، اِنَّمَا هِيَ قِيْعَانٌ لَا تُمْسِكُ

---

[6] سُنن دارمی، مقدمہ ۱/۹۷، مطبوعہ بیروت

مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلَأً. فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِي دِيْنِ اللهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي بِهِ اللهُ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ. وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے اُس کی مثال ایک زوردار بارش کی طرح ہے جو برستی ہے تو عمدہ زمین اس کو قبول کر کے گھاس اور خوب سبزی اُگا دیتی ہے۔ اور کوئی زمینی خطہ ایسا بھی ہوتا ہے جو سخت و سنگلاخ ہونے کی بنا پر پانی روک لیتا ہے، جس کے ذریعہ اللہ لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ تو وہ اُس پانی کو پیتے اور پلاتے ہیں اور اپنی کھیتیوں کو سیراب کرتے ہیں۔ مگر بعض خطے ایسے بھی ہوتے ہیں جو بالکل چٹیل ہوتے ہیں، جو نہ تو پانی روک سکتے ہیں اور نہ گھاس پھوس اُگا سکتے ہیں۔ تو یہ مثال ہے اُس شخص کی جس نے اللہ کے دین میں سمجھداری حاصل کی اور میرے پیغام کے ذریعہ اُسے فائدہ ہوا۔ اس طرح اُس نے اس علم کو خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا۔ اور (تیسری) مثال اُس شخص کی ہے جس نے (اس علم کی خاطر) اپنا سر ہی نہیں اُٹھایا اور میرے ذریعہ بھیجی ہوئی اللہ کی ہدایت کو قبول نہیں کیا۔[7]

اس حدیث شریف کے مطابق سب سے اعلیٰ مرتبہ اُس شخص کا ہے جو علم دین میں سمجھ حاصل کر کے لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہو یا اُس کی نشر و اشاعت کرتا ہو۔ ایسا شخص ایک سرسبز و شاداب خطے کی طرح ہے۔ دوسرے درجے میں وہ شخص ہے جو علم دین میں سمجھ تو نہیں رکھتا مگر ایک حافظ کی طرح دین کی باتوں کو جوں کا توں لوگوں تک پہنچا دیتا ہے۔ ایسے شخص کی مثال ایک سخت (اور نشیبی) زمین کی طرح جو اگرچہ سرسبز و شاداب تو نہیں ہے مگر وہ پانی کو (ایک تالاب کی طرح) روک کر دوسروں کو سیراب کر دیتی ہے۔ اور اس لحاظ سے وہ بھی ایک مفید خطہ زمین ہے۔ (مگر اس کی وضاحت حدیث میں موجود نہیں ہے۔ بلکہ اس کو ایک واضح حقیقت تصور کر کے بلا تشریح یونہی چھوڑ دیا گیا ہے)۔ مگر تیسرا شخص وہ ہے جو نہ سرسبز و شاداب خطہ ہے اور نہ ہی پانی روکنے والا۔ بلکہ بالکل ہی بنجر اور سپاٹ ہے۔ اور یہ مثال ایک منکر یا جاہل شخص کی ہے جو نہ تو علم دین سے خود فائدہ اُٹھاتا ہے اور نہ دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

[7] صحیح بخاری، کتاب العلم، ۲۸/۱، مطبوعہ استانبول

اسلام میں تعلیم اور دعوت الی اللہ کی اتنی اہمیت ہے کہ کسی ایک شخص کی پوری جد و جہد کے بعد بھی اگر صرف ایک ہی آدمی اس کی تعلیم یا دعوت سے ہدایت یافتہ بن جائے تب بھی وہ شخص کامیاب و کامران قرار دیا جائے گا۔ جیسا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے اس طرح فرمایا:

فَوَاللهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ يَكُوْنَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ : اللہ کی قسم تمہارے ذریعہ اللہ اگر کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ چیز تمہارے لئے سُرخ اُونٹوں سے زیادہ بہتر ہوگی۔[8]

اہل عرب کے نزدیک سُرخ اُونٹ چونکہ بہت زیادہ قیمتی سمجھے جاتے تھے، اس لئے آپ نے ان کا نام لیا۔ مطلب یہ کہ جس ملک یا قوم میں جو چیز سب سے زیادہ قیمتی سمجھی جائے یہ چیز اُس سے بھی زیادہ قیمتی ہوگی۔

دین کی خصوصی سمجھ

مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللهُ يُعْطِي. وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْأُمَّةُ قَائِمَةً عَلَى أَمْرِ اللهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ : اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اُسے دین کی (خصوصی) سمجھ عطا کرتا ہے۔ میں تو (اس علم کو سب لوگوں کے درمیان برابر برابر) تقسیم کرنے والا ہوں (یعنی اللہ کی بات سب تک برابر پہنچا رہا ہوں۔ مگر اس معاملے میں خصوصی سمجھ صرف) اللہ ہی عطا کرتا ہے۔ (بعض لوگوں کی اس خصوصی سمجھ کی بدولت جو ہر دور میں چند مخصوص بندوں کو عطا کی جاتی ہے) یہ اُمت اللہ کے دین پر ہمیشہ برابر قائم رہے گی۔ اور اُن کے مخالفین اُن کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے۔[9]

مطلب یہ کہ دین کی سمجھ میں تمام لوگ برابر نہیں ہو سکتے۔ بلکہ بعض لوگوں کو زیادہ سمجھ عطا کی جاتی

[8] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، ۱۸۷۲/۲، مطبوعہ ریاض

[9] بخاری کتاب العلم ۲۶/۱، مسلم کتاب الزکاۃ ۷۱۹/۲، مسند احمد بن حنبل۔ نیز ترمذی کتاب العلم ۲۸/۵، ابن ماجہ مقدمہ ۸۰/۱

ہے۔ جب کہ بعض لوگ فہم صحیح کے بغیر دینی معلومات یا مسائل کو محض ایک حافظ کی طرح رٹ لیتے ہیں۔ جیسا کہ خود بعض حدیثوں میں اس کی تفصیل اس طرح مذکور ہے :

فَرُبَّ حَامِلُ فِقْهٍ إِلَىٰ مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ . وَرُبَّ حَامِلُ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيْهٍ :

کتنے ہی حاملِ علم ایسے ہوتے ہیں جن سے دوسرے زیادہ سمجھ دار ہوتے ہیں (جن تک علم کی بات پہنچتی ہے) اور کتنے ہی حاملِ علم ایسے ہوتے ہیں جو دین کی سمجھ نہیں رکھتے۔ [۱۰]

اُوپر بخاری کی جو پہلی حدیث گزر چکی ہے (جس میں تین قسم کے لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے) یہ اُس کی مزید تشریح و تفصیل ہے کہ ایک "فقیہہ" یا عالم محض ایک حافظ کی طرح "غیر فقیہہ" بھی ہو سکتا ہے۔ جس کی مثال اُس سخت اور نشیبی زمین کی طرح ہے جو پانی کو روک کر دوسروں کو سیراب ہونے کا موقع دیتا ہے۔ اور اس حیثیت سے وہ بھی اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ مگر لوگوں کو صحیح معنی میں فائدہ پہنچانے والا وہ شخص ہے جو دین کی خصوصی سمجھ رکھنے والا اور حق و باطل میں تمیز کر کے لوگوں کی صحیح معنی میں رہنمائی کرنے والا ہو۔ اور ہر دور میں ایسے خصوصی فہم و بصیرت رکھنے والے علماء کی ضرورت رہتی ہے تاکہ ملّتِ اسلامیہ دینِ حق پر پوری مضبوطی کے ساتھ قائم رہے۔ اور ایسے علمائے حق کی مخالفت کرنے والے لوگ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ بلکہ اُن کا قافلہ ہمیشہ رواں دواں رہے گا۔

لفظ فقہ کے لغوی معنی سمجھ بُوجھ کے ہیں۔ اور اس موقع پر وہ علم کے معنی میں استعمال ہُوا ہے۔ اور اس اعتبار سے یہاں پر "فقیہہ" کے معنی "حاملِ علم" کے ہیں۔ جب کہ اصطلاح میں فقیہہ فقہی مسائل جاننے والے کو کہتے ہیں۔

علم و حکمت میں رشک

دین کی خصوصی سمجھ کے بارے میں اُوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اُس کی مزید تشریح حسبِ ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے :

لَاحَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلَىٰ هَلَكَتِهِ فِي

[۱۰] ابوداؤد کتاب العلم ۳/۶۹ ، ترمذی علم ۵/۳۳ ، ابن ماجہ ۱/۸۵

الْحَقِّ ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (دنیا میں) صرف دو ہی اشخاص ایسے ہیں جن پر رشک کیا جا سکتا ہے : ایک وہ شخص جس کو اللہ نے کچھ مال دیا ہے اور پھر اُسے اچھے کاموں میں خرچ کرنے پر مسلط کر دیا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت و دانائی کی بات عطا کی ہے جس کے مطابق وہ فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اُس کی تعلیم دیتا ہے۔ [۱۱]

پچھلی حدیث میں لفظ فقہ (سمجھ بُوجھ) استعمال کیا گیا تھا، جب کہ اس حدیث میں لفظ حکمت (دانائی) استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے مقصود لوگوں کو دین کے فہم و تدبر پر اُبھارنا ہے، تاکہ ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق دین کی صحیح سمجھ بُوجھ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اور دین کی یہ خصوصی سمجھ بُوجھ خاص کر کتاب اللہ میں غور و فکر اور تفکر و تدبر کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے، جو ہر دور والوں کے لئے ایک رہنما کتاب ہونے کی بنا پر اس میں ہر دور والوں کی ہدایت کا سامان بخوبی ودیعت کر گیا ہے۔ چنانچہ ایک دوسری روایت کے مطابق لفظ حکمت کی جگہ قرآن بھی آیا ہے، جس سے اس مسئلے پر بخوبی روشنی پڑ جاتی ہے :

لَاحَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُوْمُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ . وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ : دو ہی افراد ایسے ہیں جن سے رشک کیا جا سکتا ہے : ایک وہ جس کو اللہ نے قرآن (کا فہم) دیا ہو اور وہ اُسے دن رات قائم کرتا ہو (یعنی اُس کے مطابق فیصلہ کرتا ہو) اور دوسرا وہ جس کو اللہ نے کچھ مال دیا ہو جسے وہ دن رات خرچ کرتا ہو۔ [۱۲]

اس اعتبار سے قرآنِ حکیم میں غور و فکر کر کے اپنے اپنے دور کے مسائل کا حل نکالنے اور اس باب میں خصوصی فہم و بصیرت حاصل کر کے ملّت کی صحیح رہنمائی کرنے والے علماء ہی علمائے حق ہیں، جو ہر دور میں اللہ کے دین پر پوری ثابت قدمی کے ساتھ قائم رہتے اور اسے مضبوط کرتے رہتے ہیں۔ اور ایسے عُلماء قابلِ رشک ہو سکتے ہیں۔

[۱۱] بخاری کتاب العلم ۱/۲۶ ، مسلم کتاب صلاۃ المسافرین ۱/۵۵۹

[۱۲] صحیح مسلم ۱/۵۵۸

اسلام میں اچھا طریقہ قائم کرنا

چونکہ دینِ الٰہی کی راہ مارنے کے لئے ہر دور میں نئے نئے فتنے سر اٹھاتے رہتے ہیں اور اس راہ میں کام کرنے والوں کو قدم قدم پر رُکاوٹیں درپیش آتی رہتی ہیں، اس لئے ہر دور میں دینِ حق کو قائم رکھنے اور دینی اقدار کا احیاء کرنے کے لئے بطورِ ذرائع نئے نئے طریقے اختیار کرنے پڑتے ہیں اور نئی حکمتِ عملی سے کام لینا پڑتا ہے، جس کی تاکید حسب ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا، وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئٌ. وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا. وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئٌ: جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ قائم کیا جس پر اُس کے بعد عمل کیا گیا تو جتنے بھی لوگوں نے اس پر عمل کیا اُن کے اجر و ثواب کے برابر اُسے بھی اجر دیا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح اسلام میں جس نے کوئی بُرا طریقہ (بدعت) جاری کی جس پر اُس کے بعد عمل کیا گیا تو جتنے بھی لوگوں نے اُس پر عمل کیا اُن سب کا گناہ اُس پر ہوگا مگر لوگوں کے (اپنے) گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔[13]

اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے اصل مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے ضمنی طور پر نئے نئے ذرائع و وسائل اختیار کرنا جائز اور قابلِ تحسین ہے۔ مگر اس سلسلے میں ایسا کوئی نیا طریقہ جاری کرنا جس کی وجہ سے دین یا اُس کے اصل مقاصد کو نقصان پہنچ سکتا ہو باعثِ گناہ ہے۔ اس میں دراصل اہلِ اسلام کو اُبھارا جا رہا ہے کہ وہ دین کی مضبوطی کی غرض سے علوم و فنون یا تمدنی چیزوں میں نئے نئے ذرائع و وسائل اختیار کریں اور نئی نئی چیزوں کو اختیار کرنے سے نہ ہچکچائیں۔ کیونکہ انسانی تمدن ہمیشہ ایک حالت پر قائم نہیں رہتا، بلکہ اس میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا تمدن کی ترقی کی بدولت نئے نئے وسائل اختیار کئے جا سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک زندہ اور ابدی مذہب میں اس قسم کی ہدایات کا ہونا بہت ضروری ہے۔ تاکہ علمبردارانِ

[13] صحیح مسلم کتاب العلم ۲۰۵۹/۴ - ۲۰۶۰، ابن ماجہ ۷۴/۱ (بیروت)، دارمی ۱۳۰/۱

اسلام محض لکیر کے فقیر بن کر نہ رہ جائیں، بلکہ وہ تمدنی ترقیوں کے ساتھ ساتھ چلتے رہیں۔

(اس موقع پر یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ دین میں جس چیز کا نام "بدعت" ہے وہ زیادہ تر عبادات کے ذیل میں آتی ہے۔ یعنی بدعت ہر وہ نئی چیز ہے جسے دین یا عبادت سمجھ کر اختیار کی جائے۔ اس کے برعکس زیرِ بحث مسئلے میں محض تمدنی اُمور کو دین یا عبادات کے استحکام کی غرض سے بطور ذرائع و وسائل اختیار کرنا ہے، جو تمدن کی ترقی کے باعث ناگزیر بن جاتے ہیں۔ مثلاً دورِ رسالت میں قرآن کریم محض ہڈیوں اور تختیوں وغیرہ پر ہاتھ سے لکھا جاتا تھا۔ مگر آج اس کے لئے کاغذ استعمال کیا جاتا ہے اور وہ بڑے بڑے پریسوں میں چھپتا ہے۔ دورِ رسالت میں دین کا علم صرف قرآن اور حدیث میں محصور تھا۔ مگر آج اس کے لئے دیگر بہت سے علوم سے واقفیت حاصل کرنی ضروری ہے۔ دورِ رسالت میں کتب خانے یا لائبریریاں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ مگر آج ان کا وجود علم کی ترقی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اسی طرح اگلے دور میں تعلیم و تدریس کے لئے مدرسے کالج اور یونیورسٹیاں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ مگر آج ان کے بغیر تعلیم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح کی بہت سی چیزیں ہو سکتی ہیں۔[14] ظاہر ہے کہ اس طرح کے نئے نئے طریقوں کو "بدعت" تصور کر کے ان سے اجتناب نہیں کیا جا سکتا۔)

اسی طرح قرآن کے نئے نئے حقائق و معارف جو نئے نئے علوم کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، ان کی تحقیق و تدوین بھی انہی ذرائع و وسائل کے تحت آ سکتی ہے، جس سے دین کے بازو مضبوط ہوتے ہیں۔ علم ایک رواں اور بہتے ہوئے چشمے یا بحرِ زخار کی طرح ہے، جس کی کوئی حد و انتہاء نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا علمی میدان میں قناعت پسندی اس کو محدود کر کے گدلا بنا دیتی ہے۔ اور پھر علم کی حفاظت چونکہ علم ہی کی وجہ سے ہو سکتی ہے اس لئے اپنی اصولی چیزوں کی حفاظت کے لئے نئے نئے علوم سے بھی مدد لینی پڑتی ہے۔ اور یہ بات دین میں مذموم نہیں بلکہ محمود ہے۔

بہرحال ایک صاحبِ بصیرت عالم بطورِ اصلاح جب کسی نئے طریقے کو اختیار کر کے دین کا احیاء اور اُس کی تجدید کرتا ہے تو اُسے اس نئے طریقے پر چلنے والوں کے برابر اجر و ثواب دیا جاتا ہے۔ اور اس

[14] خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں جو نئی نئی تمدنی اصلاحات کیں وہ بھی اسی ذیل میں آ سکتی ہیں۔

سلسلے میں معیار جو کچھ ہے وہ ہدایت وضلالت کے نقطۂ نظر سے ہے۔ جیسا کہ اس سلسلے کی ایک دوسری حدیث سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے:

مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا. وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا: جو شخص کسی ہدایت کی بات کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے تو اُسے اُس کی اتباع کرنے والوں ہی کی طرح اجر دیا جائے گا اور لوگوں کے اجر میں بھی کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ اور جو کوئی لوگوں کو کسی گمراہی کی طرف بلاتا ہے تو اُس کی اتباع کرنے والوں کے گناہ بھی اُسی پر ہوں گے اور خود ارتکاب کرنے والوں کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔[15]

مطلب یہ کہ ہدایت کی دعوت دینے کی صورت میں جتنے بھی لوگ اس راہ ہدایت پر چلیں گے اُن کا اپنا شخصی اجر و ثواب ہر ہر شخص کو ضرور ملے گا، مگر داعیٔ ہدایت ان سب کا مجموعی اجر و ثواب لُوٹ لے گا۔ اسی طرح گمراہی کی دعوت دینے کی صورت میں ہر ہر شخص کو گمراہی میں مبتلا ہونے کا گناہ شخصی طور پر ضرور ملے گا مگر داعیٔ ضلالت ان سب کے مجموعی گناہوں کو بھی ڈھونے والا بن جائے گا۔

اس لحاظ سے اس میں عوام کو انتباہ ہے کہ وہ ہر شخص کی باتوں پر آنکھیں بند کر کے ایمان نہ لے آئیں اور بے سوچے سمجھے کسی کے پیچھے نہ چل پڑیں۔ بلکہ تحقیق کر کے دیکھ لیں کہ وہ آیا ہدایت کی طرف بلا رہا ہے یا گمراہی کی طرف؛ اس اعتبار سے علمائے حق کا رہنا اور گمراہیوں پر عوام کو ٹوکنا ضروری ہے تاکہ علمائے سوء عوام کو بہکا کر غلط راستوں کی طرف نہ لے جائیں۔ قرآن تو اس سلسلے میں یہاں تک کہتا ہے کہ (علمائے سوء کی طرف سے) اگر خود قرآن مجید کی آیات بھی (اپنے باطل اغراض و مقاصد کے لئے توڑ مروڑ کر) پیش کی جائیں تو اہل ایمان ان پر آنکھیں بند کر کے یقین نہ کر لیں:

وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِآيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا: اور (رحمان کے بندے) وہ ہیں کہ جب ان کو ان کے رب کی آیتوں کے ذریعہ نصیحت کی جاتی تو وہ ان پر اندھے بہرے

[15] صحیح مسلم، کتاب العلم، ۴/۲۰۶۰، مطبوعہ ریاض

بن کر گر نہیں پڑتے۔ (بلکہ آنکھیں کھول کر ان کا جائزہ لیتے ہیں)۔ (فرقان: ۷۳)

علم کے لئے فہم و تدبر ضروری

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ: إِنَّهُ لَا خَيْرَ فِي عِبَادَةٍ لَا عِلْمَ فِيْهَا، وَلَا عِلْمَ لَا فَهْمَ فِيْهِ، وَلَا قِرَاءَةَ لَا تَدَبُّرَ فِيْهَا: حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اُس عبادت میں کوئی خوبی نہیں ہو سکتی جو بغیر علم کے ہو۔ اور اُس علم میں کوئی خوبی نہیں ہو سکتی جس میں سمجھ بوجھ نہ ہو۔ اور اُس قراءت میں بھی کوئی خوبی نہیں ہو سکتی جو غور و فکر سے خالی ہو۔[16]

فہم و بصیرت اور فکر و تدبر علم کے لوازم میں سے ہیں، جن کے عدم وجود کے باعث ذکاوت باقی نہیں رہتی بلکہ ذہن کُند ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور ذہن کو صیقل کرنے کے لئے فکر و تدبر کا عمل ضروری ہے۔ اس اعتبار سے وہ علم علم ہی نہیں ہو سکتا جس میں یہ خوبی نہ پائی جائے۔ ظاہر ہے کہ جب لوگ ان خوبیوں سے خالی ہو جائیں تو پھر وہ اندھوں اور بہروں کی طرح ہر ایک کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔

دنیوی اغراض کے لئے تحصیلِ علم کی مذمت

اسلام میں علم کا مقام و مرتبہ چونکہ بہت اُونچا ہے اس لئے اس کی تحصیل میں محض دنیوی مقاصد کو ملحوظ رکھنے کی مذمت کی گئی ہے۔ کیونکہ علم کو دنیوی مقاصد کے تابع قرار دینے کا نتیجہ علم کی تحقیر اور اُس کی ناقدری ہوگی۔ یعنی چند حقیر مقاصد کو اصل قرار دے کر علم جیسی عظیم المرتبت شے کو ان کے تابع کر دینے کے باعث لازمی طور پر علم کا مقام و مرتبہ گھٹ جائے گا، جیسا کہ موجودہ دَور کی صورتِ حال ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ علم کے مقام و مرتبے کو بلند کرنے کے لئے اسے گھٹیا مقاصد کے تابع نہ رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ چونکہ تمام مخلوقات کا خالق، پروردگار اور ہادی و رہنما ہے لہٰذا وہ اپنی مشیّت کے لحاظ سے ہر دور میں اپنے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اپنے چند منتخب و مخصوص بندوں (رسولوں) کے ذریعہ اپنے احکام و قوانین بھیجتا رہا ہے، جو علم شریعت کہلاتے ہیں۔ چونکہ یہ علم نوعِ انسانی کی ہدایت و ضلالت کے نقطۂ نظر سے نہایت درجہ اہم ہے اس لئے اس کا نہ صرف خالص و بے آمیز رہنا ضروری ہے بلکہ اس کی نشر و اشاعت کے لئے

[16] سُنن دارمی ۱/۸۹، دار احیاء السنۃ النبویۃ، بیروت

ہر دور میں ایسے مخلص افراد کی بھی ضرورت ہے جو بے لوث طریقے سے ایک خدائی امانت کے طور پر اس فریضے کو احسن طور سے ادا کرتے رہیں۔ لہٰذا اس علم کی تحصیل اور اس کی نشر و اشاعت میں دنیوی اغراض و مقاصد کا گزر نہیں ہونا چاہئے۔ ورنہ اس راہ میں خلوص اور للّٰہیت پیدا نہیں ہوسکتی اور دیرپا نتائج بر آمد نہیں ہوسکتے۔ اس اعتبار سے جو شخص حصولِ علم کو حصولِ دنیا کا ذریعہ بنالے وہ اللہ کے نزدیک مذموم اور قابلِ ملامت ہے۔ اگر نیت درست ہو اور اخلاص کے ساتھ عمل کیا جائے تو دنیا خود بخود حاصل ہوجائے گی، جیسا کہ اللہ کا وعدہ ہے۔ مگر دنیا بذاتِ خود مقصود نہ ہو، بلکہ وہ دین کے تابع رہے۔ ورنہ علمی دنیا میں کوئی انقلاب نہیں آسکتا۔ موجودہ دور میں علم کی جو ناقدری اور دینی اقدار کا جو زوال ہے اُس کی ایک بہت بڑی وجہ یہی ہے کہ علم کے اصل مقاصد کو ملحوظ رکھنے کے بجائے دنیوی اغراض کو بڑھاوا دے دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں ہماری نیتوں اور ہمارے کردار کی درستی ضروری ہے۔ اس لحاظ سے اسلام کا یہ فلسفۂ تعلیم دیگر تمام فلسفوں سے ممتاز نظر آتا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا یُبْتَغٰی بِہٖ وَجْہُ اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ، لَا یَتَعَلَّمُہٗ اِلَّا لِیُصِیْبَ بِہٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْیَا لَمْ یَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ:

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کی رضامندی کے سوا علم کو دنیا حاصل کرنے کی غرض سے سیکھا تو وہ قیامت کے دن جنت کی بو بھی نہ پائے گا۔[17]

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا لِغَیْرِ اللّٰہِ اَوْ اَرَادَ بِہٖ غَیْرَ اللّٰہِ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ

جس نے اللہ کے سوا کسی اور کے لئے علم حاصل کیا یا اُس علم کے ذریعہ غیر اللہ کا طلبگار ہوا تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔[18]

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ لِیُجَارِیَ بِہِ الْعُلَمَاءَ، اَوْ لِیُمَارِیَ بِہِ السُّفَهَاءَ، اَوْ یَصْرِفَ بِہٖ وُجُوْہَ النَّاسِ اِلَیْہِ، اَدْخَلَہُ اللّٰہُ النَّارَ:

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس نے علم اس غرض سے حاصل کیا کہ اس کے ذریعہ اہلِ علم سے مقابلہ کرے

[17] ابو داؤد کتاب العلم ۳/۷۱ مطبوعہ حمص (شام)، ابن ماجہ مقدمہ ۱/۹۳، دار الفکر بیروت۔
[18] ترمذی کتاب العلم ۵/۳۲ دار احیاء التراث العربی بیروت، ابن ماجہ ۱/۹۵۔

یا کم عقل والوں سے بحث کرے یا اس کے ذریعہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا مقصود ہو تو اللہ ایسے شخص کو دوزخ میں داخل کرے گا۔[19]

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ مَنْ طَلَبَ شَیْئًا مِنْ ھٰذَا الْعِلْمِ فَاَرَادَ بِہٖ مَا عِنْدَ اللّٰہِ یُدْرِکْہُ اِنْ شَاءَ، وَمَنْ اَرَادَ بِہِ الدُّنْیَا فَذَاکَ وَاللّٰہِ حَظُّہٗ مِنْہُ: حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس نے (دین کا) کوئی علم حاصل کیا اور اُس کے ذریعہ اللہ کے پاس مقام بنانے کا طلب گار ہوا تو وہ انشاء اللہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے گا۔ اور جس نے (اس علم کے بدلے) دنیا طلب کی تو واللہ اُس کا حصہ اُسے دنیا ہی میں دے دیا جائے گا۔[20]

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَا یَطْلُبُ ھٰذَا الْعِلْمَ اَحَدٌ لَا یُرِیْدُ بِہٖ اِلَّا الدُّنْیَا حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ عَرْفَ الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ: رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جو بھی شخص اس (دینی) علم کا طلب گار ہوگا اور اُس کی غرض محض حصولِ دنیا ہوگی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس پر جنت کی خوشبو کو حرام کردے گا۔[21]

ان حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے حصولِ علم کے لئے مقصد کا تعین ضروری ہے۔ اور یہ مقصد رضائے الٰہی اور اُخروی نجات ہے۔ اگر یہ مقصد پیشِ نظر نہ ہے تو علم اور علماء کا معیار بلند نہیں ہوسکتا اور علماء میں خلوص اور بے نفسی نہیں آسکتی۔ بصورتِ دیگر ظاہر ہے کہ یہ علم مفید ہونے کے بجائے مضر ہوسکتا ہے۔ علماء چونکہ انبیائے کرام کے وارث ہوتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ وہ اس راہ میں ہر قسم کی نفسانیت سے بلند ہوکر کام کریں۔

حصولِ علم افضل ترین عمل

اسلام میں علم کی اس قدر قدر و منزلت اس لئے ہے کیونکہ علم کی تحصیل دینی اعتبار سے ایک افضل ترین

[19] جامع ترمذی ۵/۳۲، ابن ماجہ ۱/۹۳
[20] سُنن دارمی ۱/۸۰
[21] ایضاً

عمل ہے۔ اتنا افضل کہ کوئی دوسرا عمل حتیٰ کہ نماز روزہ اور حج و زکاۃ وغیرہ بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اسلام چونکہ دُنیا کا آخری مذہب اور قرآن مجید آخری آسمانی کتاب ہے، اس لئے ضروری تھا کہ اس کی تعلیمات بغیر کسی کھوٹ اور آمیزش کے قیامت تک اپنی اصلی حالت پر باقی رہیں اور اس کا فیض ہر ایک کے لئے عام ہے۔ ورنہ یہودیت و عیسائیت کی طرح یہ دین بھی خلط ملط ہوکر اپنی اصلیت و افادیت کھو دیتا۔ اس اعتبار سے دین کی ابدیت اور اُس کا استحکام علم کے خالص اور ملاوٹ سے پاک ہونے پر موقوف ہے۔ اور اس کا بار بوجھ علمائے حق کے کندھوں پر ڈالا گیا ہے کہ وہ ہر دور میں علم کو خالص اور اصلی حالت میں برقرار رکھنے اور ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک کرنے کا فریضہ انجام دیتے رہیں۔ اس اعتبار سے ظاہر ہے کہ علم کی تحصیل، اُس کی تعلیم و تدریس اور اُس کی نشر و اشاعت سب سے اعلیٰ اور افضل ترین عمل ہے، جس میں کسی قسم کا شک و شُبہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ بخاری و مُسلم کی وہ حدیث اُوپر گزر چکی ہے جس کے مُطابق دو قابلِ رشک افراد میں سے ایک شخص وہ ہے جسے اللہ نے حکمت و دانائی کی بات (فہمی علم) عطا کیا ہے جس کے مطابق وہ فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔ اور بقول حضرت ابن عباسؓ اہلِ علم کا درجہ اہلِ ایمان سے بھی زیادہ بڑا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ، قَالَ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِدَرَجٰتٍ: ابن عباس سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ارشادِ باری "اللہ اُن لوگوں کے درجے بلند کرے گا جو تم میں ایمان والے اور علم والے ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اہلِ علم کے درجے ایمان والوں پر بلند کرے گا۔[۲۲]

قَالَ سُفْيَانُ مَا اَعْلَمُ عَمَلاً اَفْضَلَ مِنْ طَلَبِ الْعِلْمِ وَحِفْظِهٖ لِمَنْ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً. قَالَ قَالَ الْحَسَنُ بْنُ صَالِحٍ اِنَّ النَّاسَ يَحْتَاجُوْنَ اِلٰى هٰذَا الْعِلْمِ فِيْ دِيْنِهِمْ كَمَا يَحْتَاجُوْنَ اِلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ فِيْ دُنْيَاهُمْ:

سفیان کا قول ہے کہ میں نہیں جانتا کہ طلبِ علم اور اُس کے حفظ کرنے سے زیادہ افضل کونسا عمل ہے اُس شخص کے لئے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بہتری کا ارادہ فرمائے۔ نیز اُنہوں نے کہا کہ حسن بن صالح کا

[۲۲] سُنن دارمی ۱/۱۰۰

قول ہے کہ لوگ اپنے دین کے معاملے میں اس علم کے اسی طرح محتاج ہیں جس طرح کہ وہ اپنی دنیا کے معاملے میں کھانے پینے کے محتاج ہیں۔[۲۳]

اَلْغُدُوُّ وَالرَّوَاحُ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ اَفْضَلُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: طلبِ علم کی خاطر ایک صُبح یا شام کا نکلنا اللہ کے نزدیک جہاد فی سبیل اللہ سے بھی زیادہ افضل ہے۔[۲۴]

طالبِ علم اور مُعلّم کا مقام و مرتبہ

اسلام میں علم کا مقام و مرتبہ اس قدر اُونچا ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ علم دراصل دین کا نگران و محافظ ہے اور علماء علم کے نگران و محافظ قرار دئے گئے ہیں۔ چنانچہ علم کو صحیح حالت پر برقرار رکھنے اور اُسے ہر قسم کے کھوٹ اور ملاوٹ سے پاک رکھنے کی ذمہ داری علماء کو سونپی گئی ہے۔ اس لحاظ سے علم کی تحصیل، اُس کی تعلیم و تدریس اور اُس کی نشر و اشاعت اسلام میں ایک مقدس ترین فریضہ ہے۔ اور دوسرا کوئی بھی عمل اس کی برابری نہیں کرسکتا۔ اسی لئے علم دین کے سیکھنے اور اسے پھیلانے کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ خَرَجَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ كَانَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ: رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جو شخص طلبِ علم کے لئے (گھر سے) نکلتا ہے وہ اللہ کے راستے میں ہوتا ہے جب تک کہ وہ لوٹ کر نہ آئے۔[۲۵]

مَنْ سَلَكَ طَرِيْقاً يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْماً سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ طَرِيْقاً اِلَى الْجَنَّةِ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس شخص نے حصولِ علم کی تلاش میں کوئی راستہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنّت کا راستہ آسان کر دے گا۔[۲۶]

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ رَجُلٍ يَسْلُكُ طَرِيْقاً يَطْلُبُ

[۲۳] سُنن دارمی ۱/۹۵

[۲۴] کنز العمال، ۱۰/۹۲، مطبوعہ حیدرآباد (چھوٹی تقطیع)

[۲۵] جامع ترمذی، ۵/۲۹

[۲۶] ترمذی ۵/۲۸، ابن ماجہ ۱/۸۳

فِيهِ عِلْمًا إِلَّا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ بِهِ طَرِيقَ الْجَنَّةِ. وَمَنْ أَبْطَأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ:

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جو بھی شخص حصولِ علم کی تلاش میں کوئی راستہ اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ اور جس شخص کا عمل اُسے پیچھے ڈال دے اُس کا نسب اُسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔[٢٧] (مطلب یہ کہ کسی شخص کا اعلیٰ نسب والا ہونا اُسے فائدہ نہیں پہنچا سکتا، جب تک کہ وہ اپنے ذاتی عمل کے بل بوتے پر آگے نہ بڑھے)۔

مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ. وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ. وَإِنَّ الْعَالِمَ يَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالْحِيتَانُ فِي جَوْفِ الْمَاءِ. وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ. وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ. وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا، وَرَّثُوا الْعِلْمَ. فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ:

جس نے حصولِ علم کی تلاش میں کوئی راستہ اختیار کیا تو اللہ اس کے لئے جنت کی راہوں میں سے کوئی راہ آسان کر دے گا۔ فرشتے علم طلب کرنے والے کے لئے اپنے بازو بچھاتے ہیں۔ اور عالم کے لئے زمین اور آسمانوں کی تمام مخلوق اور پانی کے اندر کی مچھلیاں تک اس کی بخشش کی دُعا کرتی ہیں۔ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چاند کی فضیلت دیگر ستاروں پر۔ اور علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اور انبیاء (کا حال یہ ہے کہ) اُنھوں نے اپنی وراثت میں درہم و دینار (روپیہ پیسہ) نہیں چھوڑا بلکہ علم کو بطورِ وراثت چھوڑ گئے ہیں۔ لہٰذا جس نے علم کو لے لیا تو اُس نے (گویا کہ) بہت بڑا حصہ پایا۔[٢٨]

أَجْوَعُ النَّاسِ طَالِبُ الْعِلْمِ، وَأَشْبَعُهُمُ الَّذِي لَا يَبْتَغِيهِ: لوگوں میں سب سے زیادہ بھوکا شخص طالبِ علم ہے۔ اور سب سے زیادہ پیٹ بھرا وہ ہے جو علم کا طلبگار نہ ہو۔[٢٩] (یعنی اصل بھوک

[٢٧] ابوداؤد ٣/٥٩ ، دارمی ١/٩٩ ، ابن ماجہ ١/٨٢

[٢٨] ابوداؤد ٣/٥٧ - ٥٨ ، ترمذی ٥/٣٨ - ٣٩ ، ابن ماجہ ١/٨١ ، دارمی ١/٩٨

[٢٩] کنز العمال ١٠/٧٨

علم کی بھوک ہے۔ اور جس شخص میں علم کی طلب ہی نہ ہو وہ گویا کہ آسودہ آدمی ہے)۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مُعَلِّمُ الْخَيْرِ يَسْتَغْفِرُ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ حَتَّى الْحُوتُ فِي الْبَحْرِ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خیر اور بھلائی کی تعلیم دینے والے کے لئے ہر چیز یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں تک دُعائے خیر کرتی ہیں۔[٣٠]

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ جَاءَ مَسْجِدِي هٰذَا لَمْ يَأْتِهِ إِلَّا لِخَيْرٍ يَتَعَلَّمُهُ أَوْ يُعَلِّمُهُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ. وَمَنْ جَاءَ لِغَيْرِ ذٰلِكَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ يَنْظُرُ إِلَى مَتَاعِ غَيْرِهِ:

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جو شخص میری اس مسجد کو محض اس بھلائی کی غرض سے آئے کہ وہ یہاں (دین کی کوئی بات) سیکھے یا دوسروں کو سکھائے تو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے برابر ہوگا۔ اور جو شخص اس کے علاوہ کسی اور غرض سے آتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے وہ دوسرے کے مال پر نظر ڈالنے والا ہو۔[٣١]

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِي مَسْجِدِهِ، فَقَالَ كِلَاهُمَا عَلَى خَيْرٍ وَأَحَدُهُمَا أَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهِ. أَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَدْعُونَ اللَّهَ وَيَرْغَبُونَ إِلَيْهِ، فَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهُمْ وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ. وَأَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُونَ الْفِقْهَ وَالْعِلْمَ وَيُعَلِّمُونَ الْجَاهِلَ، فَهُمْ أَفْضَلُ. وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا. قَالَ ثُمَّ جَلَسَ فِيهِمْ:

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلعم کا گزر مسجدِ نبوی میں دو مجلسوں پر ہوا (جن میں سے ایک عبادت میں مشغول تھی اور دوسری تعلیم و تدریس میں)۔ تو آپ نے فرمایا کہ دونوں مجلسیں اگرچہ بھلائی پر ہیں مگر ان میں سے ایک (جو تعلیم و تدریس میں مشغول ہے وہ) دوسری سے افضل ہے۔ یہ لوگ (جو عبادت میں مشغول ہیں) وہ اللہ کو پکار رہے ہیں اور اُس کی طرف متوجہ ہیں، اگر اللہ چاہے گا تو انہیں دے گا یا روک

[٣٠] سُنن دارمی ١/٩٩

[٣١] سُنن ابن ماجہ ١/٨٢ - ٨٣

لے گا۔ اب یہ وہ لوگ (جو درس و تدریس میں لگے ہوئے ہیں) وہ علم اور دین کی سمجھ حاصل کر رہے ہیں اور ناواقف کو دین سکھا رہے ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ افضل ہیں۔ اور میں بھی معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (یہ فرماتے ہوئے) آپ بھی اُسی حلقے میں بیٹھ گئے۔[۳۲]

عَنْ كَعْبٍ قَالَ الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ، مَلْعُونٌ مَا فِيهَا، إِلَّا مُتَعَلِّمٌ خَيْرًا وَمُعَلِّمُهُ: کعب سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ساری دنیا اور جو کچھ اُس میں ہے سب ملعون ہے سوائے خیر کی بات سیکھنے اور سکھانے والے کے۔[۳۳]

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ النَّاسُ عَالِمٌ وَمُتَعَلِّمٌ، وَلَا خَيْرَ فِيمَا بَعْدَ ذٰلِكَ: حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو عالم یا طالب علم (دو میں سے ایک ضرور) ہونا چاہئے۔ ان دو قسموں کے بعد لوگوں میں اور کوئی بھلائی نہیں ہو سکتی۔[۳۴]

عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ قَالَ تَطَاوَلَ النَّاسُ فِي الْبِنَاءِ فِي زَمَنِ عُمَرَ، فَقَالَ عُمَرُ يَا مَعْشَرَ الْعُرَيْبِ الْأَرْضَ، إِنَّهُ لَا إِسْلَامَ إِلَّا بِجَمَاعَةٍ، وَلَا جَمَاعَةَ إِلَّا بِإِمَارَةٍ، وَلَا إِمَارَةَ إِلَّا بِطَاعَةٍ۔ فَمَنْ سَوَّدَهُ قَوْمُهُ عَلَى الْفِقْهِ كَانَ حَيَاةً لَهُ وَلَهُمْ، وَمَنْ سَوَّدَهُ قَوْمُهُ عَلَى غَيْرِ فِقْهٍ كَانَ هَلَاكًا لَهُ وَلَهُمْ:

تمیم داری سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے دور میں اُونچی اُونچی عمارتیں بنانے لگے تو آپ نے فرمایا کہ اے اہلِ عرب (اس معاملے میں) پستی اختیار کرو۔ کیونکہ اسلام جماعت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ اور جماعت امارت کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی۔ اور امارت (حکومت و ولایت) اطاعت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ وقم یہ ہے کہ جس شخص کو اُس کی قوم علمی صلاحیت کی بنا پر سردار بنائے تو یہ بات اُس شخص اور اُس قوم کی زندگی کا باعث ہو گی۔ اور جس شخص کو اُس کی قوم اُس کی علمی صلاحیت کے بغیر سردار بنائے تو یہ بات اُس شخص اور اُس قوم کی

---

۳۲ سنن دارمی ۱/۹۹-۱۰۰

۳۳ ایضاً ۱/۹۳

۳۴ ایضاً ۱/۷۹

ہلاکت کا باعث ہو گی۔[۳۵]

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو علم صرف دینی لحاظ سے ہی نہیں بلکہ دنیوی اور قومی و ملّی لحاظ سے بھی نہایت درجہ اہم ہے۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ، فَاغْدُ أَيُّهَا الْعَبْدُ عَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا، وَلَا خَيْرَ فِيمَا بَيْنَ ذٰلِكَ: علم کی تحصیل ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس لئے اے بھلے آدمی! یا تو عالم بن یا طالب علم اس کے ماسوا اور کوئی بھلائی نہیں ہے۔[۳۶]

یعنی ہر مسلمان پر بقدرِ ضرورت علم کا حصول اور خاص کر دینی مسائل سے واقفیت ضروری ہے۔ ورنہ صحیح علم اور صحیح معلومات کے بغیر وہ بدعات و خرافات میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ایسے بہت سے مسائل ہیں جن سے ناواقفیت کے باعث وہ گناہ میں مبتلا ہو کر دینی و دُنیوی دونوں حیثیتوں سے خسارے میں رہے گا۔ لہٰذا بقدرِ ضرورت دین کا صحیح علم اور صحیح معلومات حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔

عالم کی فضیلت عابد پر

بغیر علم صحیح کے عبادت میں بھی بعض اوقات نقصانات ہوتے ہیں اور ایسی عبادت فساد کا باعث بن سکتی ہے۔ کیونکہ ایک جاہل اور بے علم شخص اگرچہ وہ بہت بڑا عابد و زاہد ہی کیوں نہ ہو اپنی ناواقفیت کے باعث افراط و تفریط یا کسی بھی فتنے میں بآسانی مبتلا ہو سکتا ہے۔ یا شیطان کے فریب اور اُس کے بہکاوے میں آسکتا ہے۔ اسی بنا پر اسلام میں حصولِ علم کو مجرّد عبادت پر فضیلت دی گئی ہے اور طرح طرح سے تحصیلِ علم پر اُبھارا گیا ہے۔ کیونکہ فکری و اعتقادی تمام فتنے عدمِ علم اور عدمِ آگہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ شیطان ایک عابد کو بآسانی بہکا سکتا ہے مگر ایک عالم کو بہکانا اُس کے لئے بڑا مشکل اور صبر آزما ہوتا ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَقِيهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ: رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ دین کی سمجھ رکھنے والا ایک شخص (عالم) شیطان پر ہزار عبادت گزاروں

---

۳۵ سنن دارمی ۱/۷۹

۳۶ کنز العمال ۱۰/۹۰-۹۱

سے زیادہ بھاری ہے۔[۳۷]

كَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ إِلَى أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ أَنَّهُ مَنْ تَعَبَّدَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ مَا يُفْسِدُ أَكْثَرَ مِمَّا يُصْلِحُ : حضرت عمر بن عبد العزیز نے مدینہ والوں کو تحریر کیا کہ جو شخص بغیر علم کے عبادت کرتا ہے تو اُس کا فساد اُس کے صلاح سے زیادہ رہے گا۔[۳۸]

عَالِمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ : ایک ایسا عالم جس سے لوگ فائدہ اُٹھا رہے ہوں ہزار عابدوں سے بہتر ہے۔[۳۹]

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلَى أَدْنَاكُمْ : رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے کسی کمتر شخص پر۔[۴۰]

إِذَا اجْتَمَعَ الْعَالِمُ وَالْعَابِدُ عَلَى الصِّرَاطِ قِيْلَ لِلْعَابِدِ ادْخُلِ الْجَنَّةَ وَتَنَعَّمْ بِعِبَادَتِكَ ۔ وَقِيْلَ لِلْعَالِمِ قِفْ هُنَا وَاشْفَعْ لِمَنْ أَحْبَبْتَ ، فَإِنَّكَ لَا تَشْفَعُ لِأَحَدٍ إِلَّا شُفِّعْتَ ۔ فَقَامَ مَقَامَ الْأَنْبِيَاءِ :

جب عالم اور عابد پُل صراط پر جمع ہوں گے تو عابد سے کہا جائے گا کہ تُو جنّت میں داخل ہو جا اور اپنی عبادت کی وجہ سے عیش کر۔ لیکن عالم سے کہا جائے گا کہ تُو ٹھہر جا اور جس کی چاہے شفاعت (سفارش) کر، کیونکہ (آج کے دن) تُو جس کی بھی سفارش کرے گا وہ قبول کی جائے گی۔ اس طرح وہ انبیاء کا مرتبہ پائے گا۔[۴۱]

مَا عُبِدَ اللّٰهُ تَعَالَى بِشَيْءٍ أَفْضَلَ مِنَ الْفِقْهِ فِي الدِّيْنِ ...... وَلِكُلِّ شَيْءٍ عِمَادٌ

۳۷ سنن ابن ماجہ ۱/۸۱
۳۸ سنن دارمی ۱/۹۱
۳۹ کنز العمال ۱۰/۸۱
۴۰ ترمذی ۵/۵۰ ، دارمی ۱/۸۸
۴۱ کنز العمال ۱۰/۷۸

وَعِمَادُ هٰذَا الدِّيْنِ الْفِقْهُ : اللہ کے نزدیک دین کی سمجھ سے زیادہ افضل کوئی چیز نہیں ہے۔ ہر چیز کا ایک ستون ہوتا ہے۔ اور اس دین کا ستون صحیح سمجھ بوجھ (علم) ہے۔[۴۲]

سَاعَةٌ مِنْ عَالِمٍ مُتَّكِئٍ عَلَى فِرَاشِهِ يَنْظُرُ فِي عِلْمِهِ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ الْعَابِدِ سَبْعِيْنَ سَنَةً : ایک عالم کا اپنے بستر پر لیٹے ہوئے پل بھر کے لئے اپنے علم میں غور کرنا ایک عابد کی ستر سالہ عبادت سے بہتر ہے۔[۴۳]

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ سَبْعُوْنَ دَرَجَةً ، مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَةٍ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ : عالم کی فضیلت عابد پر ستر درجے ہے۔ اور ہر درجے کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ زمین اور آسمان کے درمیان ہے۔[۴۴]

رَكْعَةٌ مِنْ عَالِمٍ بِاللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ رَكْعَةٍ مِنْ مُتَجَاهِلٍ بِاللّٰهِ : عالم باللہ کی ایک رکعت جاہل کی ہزار رکعتوں سے بہتر ہے۔[۴۵]

مَثَلُ الْعَابِدِ الَّذِيْ لَا يَتَفَقَّهُ كَمَثَلِ الَّذِيْ يَبْنِيْ بِاللَّيْلِ وَيَهْدِمُ بِالنَّهَارِ : اُس عابد کی مثال جو دین کی سمجھ نہیں رکھتا ایسی ہے جیسے وہ شخص جو رات میں مکان تعمیر کرتا ہے اور دن میں اُسے ڈھا دیتا ہے۔[۴۶]

أَفْضَلُ الْعِلْمِ الْعِلْمُ بِاللّٰهِ ، قَلِيْلُ الْعَمَلِ يَنْفَعُ مَعَ الْعِلْمِ ، وَكَثِيْرُ الْعَمَلِ لَا يَنْفَعُ مَعَ الْجَهْلِ : افضل ترین علم اللہ کی معرفت ہے۔ علم کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی نفع دے جاتا ہے مگر جہل کے ساتھ زیادہ عمل بھی فائدہ نہیں دے سکتا۔[۴۷]

۴۲ طبرانی و بیہقی ، منقول از کنز العمال ۱۰/۸۳
۴۳ مسند فردوس، منقول از کنز العمال ۱۰/۸۷
۴۴ مسند ابو یعلی ، منقول از کنز العمال ۱۰/۸۸
۴۵ کنز العمال ۱۰/۱۰۰
۴۶ ایضاً ۱۰/۱۰۳
۴۷ ایضاً ۱۰/۱۰۳

تعلیم و تدریس عبادت سے افضل

علم در اصل ایک روشنی اور ایک مشعل کی حیثیت رکھتا ہے جو انسانی زندگی کے تاریک گوشوں کو منور کرکے اُسے بھٹکنے اور غلط راہوں کی طرف نکلنے سے روکتا ہے اور انسان کو صحیح اور غلط میں تمیز کرنا سکھاتا ہے۔ اسی وجہ سے علم کا درجہ ہر قسم کی عبادت و بندگی سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک اور اُصول یہ ہے کہ کسی بھی عبادت یا کسی بھی حکم کے بجالانے کے لئے صحیح علم کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس اعتبار سے علم اگر صحیح ہو تو عبادت بھی صحیح ہوگی ورنہ علم اگر غلط ہو جائے تو عبادت بھی غلط ہو جائے گی اور بجائے ثواب کے اُلٹے عذاب ملے گا۔ غرض علم کی اہمیت ہر اعتبار سے بالکل مُسلّم ہے۔

طَلَبُ الْعِلْمِ اَفْضَلُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنَ الصَّلٰوۃِ وَالصِّیَامِ وَالْحَجِّ وَالْجِہَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی: طلب علم اللہ کے نزدیک نماز، روزہ، حج اور جہاد فی سبیل اللہ سے بھی زیادہ افضل ہے۔[٣٨]

اَلْغَدْوُ وَالرَّوَاحُ فِیْ تَعْلِیْمِ الْعِلْمِ اَفْضَلُ عِنْدَ اللّٰہِ تَعَالٰی مِنَ الْجِہَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ: ایک صبح یا شام علم سکھانے پر صرف کرنا اللہ کے نزدیک جہاد فی سبیل اللہ سے بھی زیادہ بہتر عمل ہے۔[٣٩]

مَا تَصَدَّقَ النَّاسُ بِصَدَقَۃٍ اَفْضَلَ مِنْ عِلْمٍ یُنْشَرُ: لوگ جو کچھ بھی صدقہ کریں مگر وہ اُس علم سے افضل نہیں ہو سکتا جو پھیلایا جا رہا ہو۔[٤٠]

مَنْ جَاءَہٗ اَجَلُہٗ وَہُوَ یَطْلُبُ الْعِلْمَ لَقِیَ اللّٰہَ تَعَالٰی وَلَمْ یَکُنْ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ النَّبِیِّیْنَ اِلَّا دَرَجَۃُ النُّبُوَّۃِ: جس شخص کی موت اس حال میں آجائے جب کہ وہ تحصیلِ علم میں مشغول ہو تو اُس کے اور نبیوں کے درمیان صرف درجۂ نبوت کا فرق رہے گا۔[٤١]

علماء انبیاء کے وارث

علم کا یہ مقام و مرتبہ اور اُس کی یہ فضیلت و بزرگی اس بنا پر ہے کہ علم خدائی صفت و خاصہ ہے جو

---

[٣٨] طبرانی و ابن عبد البر، منقول از کنز العمال ١٠/٧٥

[٣٩] مسند فردوس، منقول از کنز العمال ١٠/٨٨

[٤٠] طبرانی، منقول از کنز العمال ١٠/٨٩

[٤١] ایضاً ١٠/٩١

انبیائے کرام کے ذریعہ انسانوں کو نوازا گیا ہے۔ خاص کر خدا کی مرضی کا علم (علم شریعت) انبیائے کرام کے ذریعہ نوع انسانی کو عطا کیا گیا ہے اس لئے اس علم کے اصل حامل انبیائے کرام ہیں۔ اور علماء اس علم میں انبیاء کے وارث اور ان کے قائم مقام ہیں۔ اس اعتبار سے علم شریعت کو زندہ رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے کا فریضہ علمائے کرام پر عائد ہوتا ہے۔ اور اس کی تجدید و احیاء کا فریضہ بھی انہیں کے سپرد ہے۔ اس اعتبار سے ان کے کندھوں پر بہت بھاری بوجھ ڈالا گیا ہے۔ اور اسی بنا پر انہیں زمین میں اللہ کا امین قرار دیا گیا ہے۔ یعنی اللہ کی طرف سے نگران اور علم کی حفاظت کرنے والے۔

وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ۔ وَاِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْہَمًا، وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ اَخَذَہٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ: علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اور انبیاء نے اپنی وراثت میں روپیہ پیسہ نہیں چھوڑا بلکہ علم چھوڑ گئے ہیں۔ لہٰذا جس نے علم لے لیا (حاصل کر لیا) تو اُس نے بہت کچھ پایا۔[٤٢]

اَلْعِلْمُ مِیْرَاثِیْ وَمِیْرَاثُ الْاَنْبِیَاءِ قَبْلِیْ: علم میری اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کی میراث ہے۔[٤٣]

اَکْرِمُوا الْعُلَمَاءَ فَاِنَّہُمْ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ۔ فَمَنْ اَکْرَمَہُمْ فَقَدْ اَکْرَمَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ: علماء کا اکرام کرو کیونکہ وہ انبیاء کے وارث ہیں۔ جس نے علماء کا اکرام کیا اُس نے اللہ اور اُس کے رسول کا اکرام کیا۔[٤٤]

اَلْعَالِمُ اَمِیْنُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ: عالم زمین میں اللہ کا امین ہے۔[٤٥]

بغیر علم کے فتویٰ دینا

ان مباحث سے علم کی حقیقت اور اُس کے اسرار پُوری طرح کُھل کر سامنے آچکے ہیں۔ چونکہ منصبِ علم پر فائز ہونا ایک بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے، جو اصلاً انبیائے کرام کی نیابت اور اُن کی قائم مقامی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں کسی قسم کی کوتاہی، یا تساہل، یا فریب دہی، یا جھوٹ، یا کتمانِ حق وغیرہ کا ارتکاب ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس قسم کی کسی بھی حرکت سے علم کا سرچشمہ گدلا ہو جائے گا اور مخلوقِ خدا گمراہ ہو جائے گی۔

---

[٤٢] یہ حدیث ابو داؤد اور ترمذی وغیرہ کے حوالے سے اُوپر گزر چکی ہے۔

[٤٣] مسند فردوس، بحوالہ کنز العمال ١٠/٧٧

[٤٤] خطیب بغدادی، بحوالہ کنز العمال ١٠/٨٥

[٤٥] ابن عبد البر، منقول از کنز العمال ١٠/٧٧

شک و شبہ میں پڑ جائے گی۔ لہٰذا منصبِ علم پر فائز ہونے کی ذمہ داری یہ ہے کہ عوام الناس کو ہمیشہ صحیح بات بتائی جائے اور ان سے کوئی چیز چھپائی نہ جائے۔ خدا کے احکام اور اُس کے اوامر و نواہی بے کم و کاست بتا دیئے جائیں اور اُس کی مرضیات کا حال پُوری طرح آشکارا کر دیا جائے۔ اس میں کسی قسم کی رُو رعایت اور مُداہنت وغیرہ سے کام نہ لیا جائے۔ ورنہ فکری و عملی اعتبار سے فساد برپا ہوگا اور لوگوں کے عقائد و اعمال بگڑ جائیں گے، جس کا گناہ حاملینِ علم پر ہوگا۔

اس سلسلے میں اہلِ علم سے عموماً دو قسم کی کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں یا ہو سکتی ہیں، جن میں اعتدال پیدا کرنا اور اپنے رویہ کو درست کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ ایک قسم کی کوتاہی یہ ہے (جو بہت عام ہے) کہ کوئی شخص اپنے فن میں کمال حاصل کئے بغیر اپنے آپ کو لب کشائی کا مجاز سمجھ لے۔ یعنی بغیر رسوخ کے کسی علم و فن میں فتویٰ دینے بیٹھ جائے۔ جیسا کہ آج کل یہ وبا عام ہو چکی ہے کہ جو لوگ دینی علوم یا کسی خاص علم و فن میں بصیرت نہیں رکھتے وہ اس کے مسائل میں بے دھڑک بولنے لگتے ہیں۔ گویا کہ اپنے آپ کو علامۂ وقت ثابت کرنے کے لئے ہر مسئلے میں بولنا اپنا پیدائشی حق تصور کرتے ہیں۔ اور بعض لوگ کسی علم کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہوتے لیکن پھر بھی انہیں اس علم کے مسائل میں فتویٰ دینے کا بہت شوق نظر آتا ہے۔ اس قسم کا فعل شرعی حیثیت سے باعثِ گناہ ہے۔ کسی علم پر گفتگو کرنے سے پہلے اُس کے مسائل و مباحث سے واقفیت ضروری ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ اُفْتِیَ بِغَیْرِ عِلْمٍ کَانَ اِثْمُہٗ عَلٰی مَنْ اَفْتَاہُ: رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس شخص کو بغیر علم کے فتویٰ دیا جائے تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔[۵۶]

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ اُفْتِیَ بِفُتْیَا غَیْرَ ثَبَتٍ فَاِنَّمَا اِثْمُہٗ عَلٰی مَنْ اَفْتَاہُ: رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس شخص کو غلط فتویٰ دیا جائے تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا (فتویٰ لینے والے پر نہیں)۔[۵۷]

اسی طرح بغیر علمِ صحیح کے مُجرد اپنی رائے سے قرآنِ حکیم اور اُس کی تفسیر کے بارے میں بھی گفتگو کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔ کیونکہ اوٹ پٹانگ تاویلات کے ذریعہ حقیقتِ حال مستور ہو سکتی ہے اور لوگ شک و شبہ میں مبتلا ہو کر

---

[۵۶] ابوداؤد ۶۶/۳

[۵۷] ابن ماجہ مقدمہ ۲۰/۱

جادۂ حق (صراطِ مستقیم) سے منحرف ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ کتاب اللہ کے نزول کا سب سے بڑا مقصد لوگوں کو جادۂ حق پر قائم رکھنا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَالَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ بِرَأْیِہٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَاَ: رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کی کتاب کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور درست کہا تب بھی اُس نے غلطی کی۔[۵۸]

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ: رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس نے قرآن کے بارے میں بغیر علم (صحیح) کے کچھ کہا تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔[۵۹]

علم کو چھپانا بدترین گناہ

اور دوسری قسم کی کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ اور خاص کر بعض مصلحت پسند علماء کسی مسئلہ کی وضاحت طلبی کے باوجود بعض وقتی مصالح کے پیشِ نظر صاف و صریح جواب نہیں دیتے۔ بلکہ یا تو اس سے صاف مُکر جاتے ہیں یا گول مول جواب دے کر مسئلے کو ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو اس قسم کے وقتی مصلحتوں کے باعث لوگوں میں دین اور علمِ دین سے بدظنی پیدا ہوتی ہے اور علماء کا وقار مجروح ہوتا ہے۔ اس لئے اس قسم کی مصلحت کوشی جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو حق گوئی اور عدل و انصاف کی بہت زیادہ تاکید کرتا ہے۔

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰہِ اَوْفُوْا: اور جب (کوئی بات) کہو تو انصاف سے کہو اگرچہ (فریق) رشتہ دار ہی ہو۔ اور اللہ کا عہد پُورا کرو۔ (انعام: ۱۵۲)

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔ (احزاب: ۷۰)

لہٰذا حاملینِ دین ہی اگر کسی مصلحت یا موقع پرستی کی وجہ سے اس قسم کی حرکت کرنے لگ جائیں تو پھر

---

[۵۸] ابوداؤد کتاب العلم ۶۴/۴

[۵۹] ترمذی کتاب تفسیر القرآن، ۱۹۹/۵

ایسے بندوں سے کیا شکوہ و شکایت ہو سکتی ہے: بہرحال علم شرعی کو کسی بھی دنیوی غرض و غایت کے لیے لالچ سے چھپانا یا صحیح بات چھپانا ایک بدترین گناہ اور خیانت ہے جس کی سنگین قسم کا شرعی جرم ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَکَتَمَہٗ اَلْجَمَہُ اللّٰہُ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ: رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس سے علم کی کوئی بات پوچھی گئی اور اس نے اُسے چھپا دیا تو اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائے گا۔[٦٠]

مَا مِنْ رَجُلٍ یَحْفَظُ عِلْمًا فَیَکْتُمُہٗ اِلَّا اُتِیَ بِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مُلْجَمًا بِلِجَامٍ مِّنَ النَّارِ: جو شخص علم کا حامل ہونے کے باوجود اُسے چھپاتا ہے تو وہ قیامت کے دن (لوگوں کے سامنے) اس طرح لایا جائے گا کہ اُس کے منہ میں آگ کی لگام پہنائی گئی ہوگی۔[٦١]

مَنْ کَتَمَ عِلْمًا مِمَّا یَنْفَعُ اللّٰہُ بِہٖ فِیْ اَمْرِ النَّاسِ، اَمْرِ الدِّیْنِ، اَلْجَمَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِلِجَامٍ مِّنَ النَّارِ: جس کسی نے اُس علم کو چھپا دیا جس کے ذریعہ اللہ لوگوں کے معاملے میں نفع پہنچاتا ہے یعنی دین کا معاملہ، تو اللہ ایسے شخص کو قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائے گا۔[٦٢]

تَنَاصَحُوْا فِی الْعِلْمِ، وَلَا یَکْتُمْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا، فَاِنَّ خِیَانَۃً فِی الْعِلْمِ اَشَدُّ مِنْ خِیَانَۃٍ فِی الْمَالِ: علم کے معاملے میں ایک دوسرے کے ساتھ خیرخواہی سے پیش آؤ۔ کوئی شخص کسی دوسرے سے کچھ بھی نہ چھپائے۔ کیونکہ علمی خیانت مالی خیانت سے زیادہ شدید ہے۔[٦٣]

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ اگر قرآن میں حسب ذیل دو آیات موجود نہ ہوتیں تو میں رسول اللہ صلعم سے کوئی حدیث کبھی بیان نہ کرتا۔[٦٤]

---

[٦٠] ابوداؤد کتاب العلم ۲/۹۷-۹۸، ترمذی ۵/۲۹، ابن ماجہ ۱/۹۷، مسند احمد بن حنبل ۲/۳۵۳

[٦١] سنن ابن ماجہ ۱/۹۶، دارالفکر بیروت

[٦٢] ایضاً ۱/۹۷

[٦٣] حلیۃ الاولیاء، منقول از کنزالعمال ۱۰/۱۰۹، مطبوعہ حیدرآباد

[٦٤] سنن ابن ماجہ ۱/۹۷

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۙ اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْہِمْ ۚ وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْہُدٰی وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَۃِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَہُمْ عَلَی النَّارِ: جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے اور اُس کے بدلے میں تھوڑا سا مول لیتے ہیں تو یہ لوگ یقیناً اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ اللہ ایسے لوگوں سے قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ انہیں (گناہوں سے) پاک کرے گا۔ بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت کے بدلے عذاب خرید لیا ہے۔ تو یہ لوگ دوزخی ہونے پر کس قدر ڈھیٹ ہیں! (بقرہ: ۱۷۴-۱۷۵)

قرآن مجید میں ایک دوسرے موقع پر خدائی علم — جس پر نوعِ انسانی کی ہدایت و ضلالت کا مدار ہے — چھپانے والوں کی مذمت اس طرح کی گئی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْہُدٰی مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُہُمُ اللّٰہُ وَیَلْعَنُہُمُ اللّٰعِنُوْنَ: جو لوگ ہماری نازل کردہ واضح باتوں اور ہدایت کو (لوگوں سے) چھپاتے ہیں، باوجودیکہ ہم نے اُن باتوں کو لوگوں کے لیے اس کتاب میں بیان کر دیا ہے، تو یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والی (مخلوق) بھی لعنت کرتی ہے۔ (بقرہ: ۱۵۹)

اس لعنت کرنے والی مخلوق میں دُنیا کی ہر چیز شامل ہے جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی شرح ملتی ہے:

کَاتِمُ الْعِلْمِ یَلْعَنُہٗ کُلُّ شَیْءٍ حَتَّی الْحُوْتُ فِی الْبَحْرِ وَالطَّیْرُ فِی السَّمَآءِ: علم کو چھپانے والے پر ہر چیز لعنت و ملامت کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں اور آسمان کے پرندے بھی۔[٦٥]

اہلِ کتاب اور خاص کر یہود نے چند دنیوی اغراض کے لیے احکامِ الٰہی کو چھپانے کا ارتکاب کیا تھا، جن کی قرآن میں سخت مذمت کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ فَنَبَذُوْہُ وَرَآءَ ظُہُوْرِہِمْ وَاشْتَرَوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ: اور جب اللہ نے

---

[٦٥] ابن الجوزی فی العلل، بحوالہ کنزالعمال ۱۰/۱۰۹

اہلِ کتاب سے یہ عہد لیا کہ وہ کتاب (میں مذکور شدہ باتوں) کو لوگوں سے بیان کرتے رہیں اور اُسے چھپائیں نہیں۔ مگر اُنہوں نے اس عہد کو پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور اُس کے بدلے میں تھوڑا سا معاوضہ لے لیا۔ تو وہ کتنی بُری چیز ہے جو وہ حاصل کر رہے ہیں۔ (آلِ عمران : ۱۸۷)

جو عہد اہلِ کتاب سے لیا گیا تھا وہی عہد تمام اُمتوں سے بھی لیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے علم کو پھیلانا (چھپانے کی نقیض پھیلانا ہے) تمام انبیائے کرام کی سُنت رہی ہے۔ مگر ہر قوم اور ہر مِلت نے اپنے اپنے قومی و گروہی اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے علم کو چھپانے اور اُس کی نشر و اشاعت کو روکنے میں زبردست کردار ادا کیا ہے جیسا کہ تاریخ عالم شاہد ہے۔ مگر اس سلسلے میں ایک اسلام کا استثناء ہے جس نے مثبت اور منفی ہر طرح سے تحصیلِ علم، اُس کی تعلیم و تدریس اور اُس کی نشر و اشاعت کی انوکھی اور انقلابی دعوت دے کر دُنیا کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ چنانچہ اس موقع پر اس کی انوکھی تعلیمات کی مختلف حیثیتوں سے ایک جھلک پیش کی جاتی ہے۔

اسلام کی انوکھی تعلیمات

واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں علم ایک مقدس ترین امانت ہے جسے جوں کا توں بغیر کسی کمی بیشی کے دوسروں تک پہنچانا ضروری ہے۔ تاکہ علم کا دریا ہمیشہ رواں دواں رہے اور مخلوقِ الٰہی اس سے برابر سیراب ہوتی رہے۔ اس کے سوتے کبھی خشک نہ ہونے پائیں اور اس کی روانی میں کوئی کمی نہ ہو۔ لہٰذا اسلام میں مختلف اعتبارات سے اس کی تعلیم و تحصیل اور اس کی نشر و اشاعت کی لوگوں کو ترغیب دی گئی ہے اور مختلف طریقوں سے اس پر اُبھارا گیا ہے۔ اس اعتبار سے اسلام نے علم کو جو اعلیٰ مقام و مرتبہ عطا کیا ہے وہ دیگر مذاہب میں مفقود ہے۔ اور پھر اسلام میں علم کے حصول کی ترغیب و تحریص بھی جس انوکھے انداز میں دلائی گئی ہے وہ بھی بلاشبہ اُس کی بے نظیر تعلیمات ہی کی خصوصیت قرار دی جاسکتی ہے۔ اس انوکھی اور بے نظیر تعلیمات کے لحاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ خود علم اور اُس کے احوال و کوائف کو بھی اسلام میں ایک مکمل فلسفے کی شکل میں پیش کیا گیا ہے، جو ایک حیرت انگیز جامعیت کا حامل ہے۔ اسلام کی ان ہی بے نظیر تعلیمات کی بدولت دُنیا میں علم کا چرچا ہُوا اور اہلِ اسلام نے اپنے دور میں علم کی مشعل روشن کر کے ساری دُنیا کو بقعۂ نُور بنا دیا۔ یہ ایسے حقائق ہیں جو سُنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ دیگر قومیں اسلام میں علم کی اس قدر و منزلت کا اندازہ ہی نہیں کر سکیں۔ بلکہ خود بہت سے مُسلمان بھی ان حقائق سے نابلد ہیں کہ اسلام نے علم کو پھیلانے

اور جہالت کی تاریکیوں کو دُور کرنے کے سلسلے میں کس قدر زبردست اور تاریخ ساز خدمات انجام دی ہیں!

واقعہ یہ ہے کہ یہ اسلام ہی کا ناقابلِ فراموش کارنامہ اور اُس کا زبردست احسان ہے کہ اُس نے بے غرضانہ اور بے لوث طریقے سے علم کی نشر و اشاعت کر کے عالَمِ انسانی پر علم کے بند دروازوں کو کھول دیا اور ہر کس و ناکس کے لئے حصولِ علم کو آسان سے آسان تر کر دیا۔ چنانچہ اسلام میں غلاموں اور دیگر پست ترین طبقات نے علم کے میدان میں ترقی کر کے جو زبردست علمی خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ اسلام کا ایک روشن ترین باب کا درجہ رکھتی ہیں۔ اسلام میں دیگر مذاہب کی طرح طبقاتی اُونچ نیچ نہیں ہے، جس کے مُطابق کوئی طبقہ اپنے طبقے سے نکل کر دوسرے طبقے میں جانے کی سوچ بھی نہیں سکتا۔ مثلاً ہندو مذہب کی رُو سے ایک شُودر (نیچ ذات کا شخص) ہمیشہ شُودر ہی رہے گا، خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ بن جائے۔ اس کے برعکس اسلام میں کوئی بھی (پیشہ کے اعتبار سے) حقیر شخص علم حاصل کر کے کسی بھی اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے اور منصب پر فائز ہو سکتا ہے۔ اس اعتبار سے اسلام میں علم پر کسی ایک طبقے یا خاندان کی اجارہ داری نہیں ہے۔ یا کوئی مخصوص برہمن طبقہ موجود نہیں ہے، جس کا سلسلہ خاندانی وراثت کے طور پر چل سکتا ہو۔ بلکہ علمی صلاحیت حاصل کر کے کوئی بھی شخص اس کا مُستحق بن سکتا ہے خواہ وہ خاندانی اعتبار سے ادنیٰ اور حقیر درجے ہی کا کیوں نہ ہو۔

غرض اسلام کی انہی فطری اور معقول تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ اہلِ اسلام نے علم کی اشاعت کی راہ میں تاریخ ساز خدمات انجام دیتے ہُوئے بے شمار مدرسے، مکاتب، کتب خانے اور یونیورسٹیاں قائم کیں اور پُوری دُنیا میں علمی اداروں کا ایک جال بچھا دیا۔ چنانچہ موجودہ دَور میں علم جو ایک آزاد ادارہ کی حیثیت سے ترقی کر رہا ہے وہ سب اسلام ہی کی تعلیم و تلقین کا نتیجہ ہے۔

طلبِ علم ہر مُسلمان کے لئے ضروری

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ.

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ حصولِ علم ہر مُسلمان پر فرض ہے۔[۶۶]

یہ حدیث اسلام میں طبقاتی نظام قائم کرنے کے خلاف ایک اہم ترین ضابطہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ جو بھی شخص کلمۂ طیبہ کا اقرار کر لیتا ہے اُس پر بقدرِ ضرورت علم حاصل کرنا فرضِ عین بن جاتا ہے۔ جب کہ دین کا

[۶۶] سُنن ابن ماجہ، مقدمہ، ۱/۸۱، مطبوعہ بیروت۔

تفصیل علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ اس طرح کسی تعلیم کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی شخص جاہل اور ناخواندہ نہ رہے۔ اسی تعلیم و تلقین کا نتیجہ تھا کہ دورِ اسلام میں بے شمار مدرسے اور مکاتب قائم ہو گئے' اور تعلیمی حیثیت سے ایک انقلاب برپا ہو گیا۔

افضل ترین عبادت

علم کا پہلا درجہ یہ ہے کہ دین کا ضروری علم حاصل کیا جائے جو ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔ ورنہ اُس کی نماز' اُس کے روزے اور دیگر عبادات میں خلل آسکتا ہے' اُس کے اعمال فاسد ہو سکتے ہیں اور معاملاتِ زندگی میں بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے۔ اور عدمِ علم کے باعث اکثر و بیشتر وہ گنہگار ہو سکتا ہے۔

علم کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ مختلف حیثیتوں سے دین کی صحیح سمجھ بُوجھ (تفقہ فی الدین) حاصل کی جائے۔ اس کے لئے چونکہ وسیع مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے یہ مخصوص افراد کا کام ہے۔ اس طرح دین کا وسیع اور تفصیلی مطالعہ فرضِ کفایہ ہے۔ یعنی اگر کسی قوم یا معاشرے میں چند افراد بھی اس کے حامل ہوں تو یہ فریضہ بقیہ افراد کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ مگر ایسے افراد کی ایک جماعت کا ہر دور اور ہر ملک و معاشرے میں ہونا ضروری ہے' جن سے بوقتِ ضرورت افرادِ معاشرہ رجوع ہوں اور ضروری مسائل میں ان سے رہنمائی حاصل کریں۔ ورنہ اجتماعی اعتبار سے خرابی لازم آئے گی۔ اسی بنا پر فقہ (دین کی سمجھ بُوجھ) کو عبادت سے بھی افضل قرار دیا گیا ہے:

فَقِيْهٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ : دین کی سمجھ بُوجھ رکھنے والا ایک شخص شیطان پر ہزار عبادت گُزاروں سے زیادہ بھاری ہے۔[67]

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ : عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چاند کی فضیلت دیگر ستاروں پر۔[68]

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے بہتر شخص کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

فَقَالَ أَفْقَهُهُمْ فِي دِيْنِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَأَوْصَلُهُمْ لِرَحِمِهِ : رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ

[67] جامع ترمذی ۵/۴۸ ' دار احیاء التراث العربی بیروت۔

[68] ایضاً ۵/۴۹

وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے دین میں سب سے زیادہ سمجھ رکھنے والا اور صلہ رحمی کرنے والا ہو۔[69]

أَفْضَلُ الْعِبَادَةِ الْفِقْهُ ، وَأَفْضَلُ الدِّيْنِ الْوَرَعُ : افضل ترین عبادت (دین کی) سمجھ بُوجھ حاصل کرنا اور افضل ترین دین تقویٰ ہے۔[70]

مَنْ تَعَلَّمَ حَدِيْثَيْنِ اثْنَيْنِ يَنْفَعُ بِهِمَا نَفْسَهُ وَيُعَلِّمُهُمَا غَيْرَهُ وَيَنْتَفِعُ بِهِ كَانَ خَيْرًا لَهُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً : جس شخص نے صرف دو حدیثیں حاصل کیں جن سے وہ خود بھی فائدہ اُٹھاتا ہے اور دوسروں کو بھی ان کی تعلیم دیتا ہے اور وہ اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں تو یہ چیز اُس کے حق میں ساٹھ سال کی عبادت سے زیادہ بہتر ہے۔[71]

مَنْ تَعَلَّمَ بَابًا مِنَ الْعِلْمِ عَمِلَ بِهِ أَوْ لَمْ يَعْمَلْ بِهِ كَانَ أَفْضَلَ مِنْ صَلَاةِ أَلْفِ رَكْعَةٍ. فَإِذَا هُوَ عَمِلَ بِهِ أَوْ عَلَّمَهُ كَانَ لَهُ ثَوَابُهُ وَثَوَابُ مَنْ يَعْمَلُ بِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ : جو شخص علم کا کوئی حصہ حاصل کرتا ہے تو خواہ وہ اس پر عمل کرے یا نہ کرے ہزار رکعت نماز کا ثواب ملتا ہے۔ مگر جب وہ اس پر عمل کرتا ہے یا وہ علم دوسروں کو سکھاتا ہے تو اُس کے لئے اُس کا اپنا ثواب اور ان تمام لوگوں کا ثواب بھی ملے گا جو قیامت تک اس پر عمل کرتے ہوں۔[72]

إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ دِعَامَةً وَدِعَامَةُ هٰذَا الدِّيْنِ الْفِقْهُ : ہر چیز کا ایک ستون ہوتا ہے اور اس دین کا ستون فقہ (دین کی سمجھ بُوجھ) ہے۔[73]

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ قَالَ : إِنَّ الْفَقِيْهَ حَقَّ الْفَقِيْهِ مَنْ لَمْ يُقْنِطِ النَّاسَ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ ، وَلَمْ يُرَخِّصْ لَهُمْ فِيْ مَعَاصِي اللهِ ، وَلَمْ يُؤْمِنْهُمْ مِنْ عَذَابِ اللهِ ، وَلَمْ يَدَعِ الْقُرْآنَ رَغْبَةً إِلَى غَيْرِهِ - إِنَّهُ لَا خَيْرَ فِيْ عِبَادَةٍ لَا عِلْمَ فِيْهَا ، وَلَا عِلْمَ لَا فَهْمَ فِيْهِ ، وَ

[69] مسند احمد ۶/۶۸ ' المکتب الاسلامی بیروت۔

[70] طبرانی ' بحوالہ کنز العمال ۱۰/۸۵

[71] دیلمی ' " " ۱۰/۹۳

[72] خطیب اور ابن نجار ' بحوالہ کنز العمال ۱۰/ ۹۳

[73] صحیح ابن حبان ' بحوالہ کنز العمال ۱۰/۸۶

وَقِرَاءَةً لَا تَدَبُّرَ فِيهَا:
حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ فقیہ (دین کی سمجھ رکھنے والا شخص) صحیح معنی میں وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ کرے اور انہیں اللہ کی نافرمانی کی چھوٹ بھی نہ دے کہ وہ اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو جائیں۔ اور قرآن کو (ضابطۂ حیات کی حیثیت سے) ترک کر کے کسی دوسری چیز کو اختیار نہ کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی عبادت میں کوئی فائدہ نہیں جس میں علم (کا عنصر) شامل نہ ہو۔ اور اس علم میں بھی کوئی خیر نہیں جس میں سمجھ (فہم) نہ ہو، اور نہ بغیر تدبر کے کوئی قراءت ہی مفید ہو سکتی ہے۔ (مطلب یہ کہ دین اور اس کی استواری کا سارا دار و مدار فہم و تدبر پر ہے)[74]

فقیہ کی پہچان

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ فقیہ وہ ہے جو شریعت کی باریکیوں پر عبور رکھتا ہو یا وہ شخص جو بہت زیادہ مسائل جانتا ہو۔ مگر بعض روایات میں آتا ہے کہ فقیہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرنے والا اور دنیا کی رغبت نہ کرنے والا ہو۔ اور فقیہ کی ایک تعریف وہ ہے جو اوپر مذکور روایت میں گزر چکی ہے۔

إِنَّمَا الْفَقِيهُ الزَّاهِدُ فِي الدُّنْيَا الرَّاغِبُ فِي الْآخِرَةِ، الْبَصِيرُ بِأَمْرِ دِينِهِ، الْمُدَاوِمُ عَلَى عِبَادَةِ رَبِّهِ: فقیہ وہ ہے جو دنیا میں دل نہ لگانے والا، آخرت کی طرف مائل، اپنے دین کے معاملے میں نگاہ رکھنے والا اور اپنے رب کی عبادت میں ہمیشہ لگا رہتا ہو۔[75]

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ إِنَّمَا الْفَقِيهُ مَنْ يَخَافُ اللّٰهَ: مجاہد کہتے ہیں کہ فقیہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرنے والا ہو۔[76]

واقعہ یہ ہے کہ جو شخص دین کی صحیح سمجھ حاصل کر لیتا ہے اس کی نظر میں دنیا حقیر بن جاتی ہے اور وہ دنیا کی طرف مائل ہونے کی بجائے آخرت کا طالب بن کر محض للہ فی اللہ کام کرنے اور علم کی ترویج و اشاعت دل و جان سے کرنے کو ترجیح دینے لگتا ہے۔ اہلِ علم میں جب تک بے نیازی کی یہ شان پیدا نہ ہو علم اور علماء کا مقام و مرتبہ بلند نہیں ہو سکتا۔

---

[74] سنن دارمی ۱/۸۹
[75] و [76] ایضاً

طالب علم کا رزق اللہ کے ذمہ

جو شخص طلب علم کی غرض سے نکلتا ہے وہ چونکہ اللہ کی راہ میں ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اس کے رزق کا ذمہ لے لیتا ہے۔ اسی طرح وہ عالم جو دین کی سمجھ حاصل کر کے اس کی نشر و اشاعت میں لگ جائے اس کا بھی اللہ تعالیٰ کفیل بن جاتا ہے۔

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ تَكَفَّلَ اللّٰهُ لَهُ بِرِزْقِهِ: جو شخص علم طلب کرتا ہے تو اللہ اس کے رزق کا کفیل بن جاتا ہے۔[77]

مَنْ تَفَقَّهَ فِي دِينِ اللّٰهِ كَفَاهُ اللّٰهُ هَمَّهُ وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ: جو شخص اللہ کے دین میں سمجھ پیدا کرلے تو اللہ اس کی فکر (معاش) کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جو اس کے گمان میں بھی نہ ہو۔[78]

علم میں نیت کی درستی ضروری

طلب علم کی راہ میں نیت کی درستی شرط ہے۔ یعنی جیسا کہ تفصیل گزر چکی حصولِ علم کسی دنیوی غرض سے نہ ہو بلکہ خالص دینی جذبے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر ہو تو اس راہ میں خدا کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور رزق کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں مجاہدؒ جو حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد اور جلیل القدر تابعین میں سے ہیں، خود اپنے بارے میں بیان کرتے ہیں:

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ طَلَبْنَا هٰذَا الْعِلْمَ وَمَا لَنَا فِيهِ كَبِيرُ نِيَّةٍ، ثُمَّ رَزَقَ اللّٰهُ بَعْدُ فِيهِ نِيَّةً: مجاہدؒ کہتے ہیں کہ ہم نے اس علم کو (پہلے پہلے) اس طرح حاصل کرنا شروع کیا کہ اس میں ہماری کوئی بڑی نیت نہیں تھی۔ مگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں نیت (کی درستی) کی بنا پر رزق عطا فرمایا۔[79]

لہٰذا اہلِ علم کو اس سلسلے میں خواہ مخواہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اہل علم کے رزق کی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے تو پھر انہیں اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر بھروسہ کرتے ہوئے پورے

---

[77] خطیب بغدادی، منقول از کنز العمال ۱۰/۷۹
[78] رافعی، خطیب، ابن نجار، منقول از کنز العمال ۱۰/۹۳
[79] سنن دارمی ۱/۱۰۱

اخلاص کے ساتھ اس راہ میں جد و جہد کرنا چاہیئے۔ اُن کا بندھا ہُوا رزق خود بخود ان تک پہنچ جائے گا۔

دین کی سمجھ میں تفاوت

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی عقلوں اور اُن کے ذہنوں کو یکساں طور پر نہیں بنایا ہے۔ بلکہ ہر ایک کی سمجھ اور دانش میں فرق اور تفاوت رکھا ہے۔ چنانچہ کسی کو تھوڑی سمجھ دی ہے اور کسی کو زیادہ سمجھ بُوجھ سے نوازا ہے۔ اس بنا پر لوگوں کے علم و فہم میں بھی فرق اور کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ اس اعتبار سے بعض علماء ایک دوسرے سے زیادہ سمجھ دار ہو سکتے ہیں اور بعض علماء صرف حافظوں کی طرح مسائل رٹ لیتے ہیں۔

فَرُبَّ حَامِلُ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ. وَرُبَّ حَامِلُ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيهٍ: کتنے ہی حاملِ علم ایسے ہوتے ہیں جن سے دوسرے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں (جن تک علم کی بات پہنچتی ہے) اور کتنے ہی حاملِ علم ایسے ہوتے ہیں جو دین کی سمجھ (بالکل) نہیں رکھتے۔[80]

اس اعتبار سے دین میں تفقہ ایک خُدائی عطیہ ہے، جو ہر شخص کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ مگر ہر شخص کی کوشش یہی ہونی چاہیے کہ اسے حاصل کرنے کی سعی کرے۔ کیونکہ کسی بھی چیز کے حصول کے لئے جد و جہد کرنا اولین شرط ہے۔

مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ: اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے دین کی (خصوصی) سمجھ عطا کرتا ہے[81]

بے علم قلب کی مثال

جس قلب میں علم و حکمت کی کوئی بات نہ ہو وہ ایک اُجاڑ اور غیر آباد مکان کی طرح ہے جو گرد و غبار سے اٹا ہُوا ہو۔ اور جہل و نا واقفیت کے باعث لوگوں کے اعمال اکارت ہو جاتے ہیں اور ان کا عُذر نا قابلِ قبول ہو جاتا ہے۔

قَلْبٌ لَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ مِنَ الْحِكْمَةِ كَبَيْتٍ خَرِبٍ، فَتَعَلَّمُوا وَعَلِّمُوا وَتَفَقَّهُوا وَلَا تَمُوتُوا جُهَّالًا، فَإِنَّ اللهَ لَا يَعْذِرُ عَلَى الْجَهْلِ: جس شخص کے دل میں حکمت کی کوئی بات نہ ہو

[80] ابوداؤد کتاب العلم ۳/۶۹، ترمذی کتاب العلم ۵/۳۳

[81] بخاری ۱/۲۶، مُسلم ۲/۷۱۹، مُسند احمد، ترمذی ۵/۲۸، ابن ماجہ ۱/۸۰، دارمی ۱/۳

وہ ایک اُجاڑ گھر کی طرح ہے۔ لہٰذا تم علم حاصل کرو، لوگوں کو تعلیم دو اور دین کی سمجھ پیدا کرو۔ بے علم بن کر نہ مرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بے علمی کی بنا پر کوئی عذر قبول نہیں کرے گا۔[82]

أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ: کیا ہم نے (دنیا میں) تمہیں اتنی (لمبی) عمر نہیں دی تھی جس میں سمجھنے والا سمجھ سکتا تھا؛ اور ایسی صورت میں جب کہ (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والا بھی تمہارے پاس آچکا تھا! (فاطر: ۳۷)

تحصیلِ علم کی راہ میں محرومی بھی باعثِ ثواب

اسلام میں اعمال کا دار و مدار چونکہ نیتوں پر ہوتا ہے اس لئے ہر شخص کو اُس کی نیت اور کوشش کے مطابق اجر و ثواب دیا جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص اپنی کوشش اور جد و جہد میں کامیاب ہی ہو جائے۔ بلکہ اس راہ میں بعض لوگ باوجود کوشش اور جد و جہد کے محروم اور ناکام ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ایسے شخص کی دل بستگی کے لئے ضروری ہے کہ اُسے ناکام و نامُراد قرار نہ دیا جائے بلکہ اس صُورت میں بھی اُسے اجر و ثواب کا مستحق قرار دیا جائے۔ ورنہ وہ میدانِ عمل سے اُکتا کر مایوس ہو جائے گا۔

مَنْ طَلَبَ عِلْمًا فَأَدْرَكَهُ كُتِبَ لَهُ كِفْلَانِ مِنَ الْأَجْرِ. وَمَنْ طَلَبَ عِلْمًا فَلَمْ يُدْرِكْهُ كُتِبَ لَهُ كِفْلٌ مِنَ الْأَجْرِ: جو شخص کسی علم کی تحصیل میں لگا اور اُسے حاصل کر لیا تو اُس کے لئے دو حصے ثواب لکھا جائے گا۔ اور جو شخص کسی علم کی تحصیل میں لگا مگر اسے حاصل نہ کر سکا تو اُس کے لئے ایک حصہ ثواب لکھا جائے گا۔[83]

اس لحاظ سے اسلام ایک فطری نظام ہے جو انسانی نفسیات کا بھی راز داں ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک انسان کی محرومی کو بھی اُس کی کامیابی قرار دے کر اُس کی ہمت بڑھاتا ہے اور کسی حال میں اُسے ناکام قرار نہیں دیتا۔

دو بھُوکے کبھی سیر نہیں ہو سکتے

قَالَ عَبْدُ اللهِ مَنْهُومَانِ لَا يَشْبَعَانِ، صَاحِبُ الْعِلْمِ وَصَاحِبُ الدُّنْيَا، وَلَا يَسْتَوِيَانِ.

[82] ابن سنی، منقول از کنز العمال ۱۰/۸۴

[83] ترمذی، مسند ابو یعلیٰ، حاکم، طبرانی، بیہقی، ابن عساکر، منقول از کنز العمال ۱۰/۹۲، نیز یہ روایت سنن دارمی ۱/۹۷ میں بھی مروی ہے۔

أَمَّا صَاحِبُ الْعِلْمِ فَيَزْدَادُ رِضَى الرَّحْمٰنِ . وَأَمَّا صَاحِبُ الدُّنْيَا فَيَتَمَادَى فِي الطُّغْيَانِ . ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللّٰهِ (كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغٰى أَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى) .

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ دو بھوکے کبھی آسودہ نہیں ہوسکتے، ایک صاحبِ علم اور دوسرا صاحبِ دُنیا اور یہ دونوں درجے میں برابر نہیں ہوسکتے۔ علم والا شخص تو اللہ کی رضامندی میں زیادتی کا باعث بنتا ہے جب کہ دُنیا دار سرکشی میں آزاد رہتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیات پڑھیں: "ہاں ہاں انسان ضرور سرکش بن جاتا ہے۔ جب کہ وہ اپنے آپ کو غنی پاتا ہے۔" (علق: ۶-۷) [۸۴]

واقعہ یہ ہے کہ علم اور مال دو ایسی چیزیں ہیں کہ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کا چسکا کسی کو پڑ جائے تو وہ اُسی کے پیچھے دوڑنے لگتا ہے اور وہی چیز اُس کا مرکز و محور بن کر اُسے مصروفِ عمل رکھتی ہے۔ مگر دانش مندہ ہے جو ایک فانی چیز کے پیچھے بھاگنے کی بجائے ابدی و دائمی مسرت کا باعث بننے والی شے کو حاصل کرنے کی سعی کرے۔

حصولِ علم ماضی کا کفارہ

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص علم کی تحصیل کرتا ہے تو اُس کا یہ عمل ماضی کا کفارہ بن جاتا ہے۔ [۸۵]

علم چراغ راہ ہے

وَإِنَّمَا مَثَلُ الْعَالِمِ كَمَثَلِ رَجُلٍ حَمَلَ سِرَاجًا فِي طَرِيقٍ مُظْلِمٍ يَسْتَضِيءُ بِهِ مَنْ مَرَّ بِهِ . وَكُلٌّ يَدْعُو لَهُ بِالْخَيْرِ : عالم کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے اندھیری راہ میں ایک چراغ اُٹھا رکھا ہو اور ہر گزرنے والا اُس سے روشنی حاصل کرتا ہو اور ہر شخص اُس کے لئے دُعائے خیر کرتا ہو۔ [۸۶]

اپنے بھائی کے لئے بہترین تحفہ

لَيْسَ هَدِيَّةٌ أَفْضَلَ مِنْ كَلِمَةِ حِكْمَةٍ تُهْدِيهَا لِأَخِيكَ : ابوعبدالرحمان کہتے ہیں کہ

---

[۸۴] سنن دارمی ۹۶/۱

[۸۵] ترمذی ۲۹/۵، دارمی ۱۳۹/۱

[۸۶] دارمی ۱۳۹/۱

علم و حکمت کی بات سے زیادہ افضل کوئی ایسا ہدیہ نہیں ہوسکتا جو تم اپنے بھائی کو دے سکو۔ [۸۷]

یعنی ہر مُسلمان بھائی کی خیرخواہی اور اُس سے دلی ہمدردی کا تقاضا ہے کہ ایک دینی بھائی دوسرے دینی بھائی کو علم و حکمت کی بات بتائے۔ یہ علم کو پھیلانے کا ایک قُدرتی ذریعہ ہے۔

حکمت کی بات مومن کی متاعِ گمشدہ

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ ، فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا : رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ حکمت و دانائی کی بات مومن کی متاعِ گمشدہ ہے، تو وہ اُسے جہاں بھی پائے اُسے لے لینے کا حقدار ہے۔ [۸۸]

حکمت و دانائی کی بات جہاں بھی مل جائے، جس قوم و مذہب میں بھی مل جائے، اور جس علم و فن میں بھی نظر آجائے اُسے اخذ کرلینے میں ایک مومن و مسلم کو کسی قسم کا عار نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ حکمت و دانائی کی بات (جو عقائد و شریعت کے علاوہ ہو) اور خاص کر علمی نکات اور تمدّن و معاشرت کا کوئی اچھا اُصول کسی ایک قوم کی میراث نہیں ہے۔

علم کے لئے دُور دراز کا سفر

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ . فَإِنَّ طَلَبَ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ : علم حاصل کرو اگرچہ وہ چین میں ہو۔ کیونکہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ [۸۹]

قدیم دور میں چین کا سفر بہت مشکل تصوّر کیا جاتا تھا۔ اور کوئی مشکل کام انجام دینے کے لئے بطور ضرب المثل "چین کے سفر" کی بات کہی جاتی تھی۔ بہرحال اس تاکید سے اسلام میں علم کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے کہ اگرچہ علم کا حصول کتنا ہی مشکل اور دُشوار کیوں نہ ہو لیکن ایک مُسلمان کو مُسلمان رہنے کے لئے اس کی تحصیل ضروری ہے۔ قدیم دَور میں اہلِ اسلام نے اس قسم کی تاکیدوں سے متاثر ہوکر حصولِ علم کے سلسلے میں جو صعوبتیں اور کُلفتیں برداشت کی ہیں اور

---

[۸۷] دارمی ۱۰۰/۱

[۸۸] ترمذی کتاب العلم، ۵۱/۵

[۸۹] عقیلی، ابن عدی، بیہقی اور ابن عبدالبر، منقول از کنز العمال ۷۹/۱۰

جو کارنامے انجام دئیے ہیں وہ تاریخی نوعیت کے حامل ہیں۔ جب کہ اُس دور میں موجودہ دور کی طرح نہ تو سفر کی آسانیاں حاصل تھیں اور نہ لکھنے پڑھنے کی۔

طالب علمی کی حالت میں موت کا مرتبہ

مَنْ اَتَاهُ مَلَكُ الْمَوْتِ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ دَرَجَةُ النُّبُوَّةِ: جس شخص کے پاس موت کا فرشتہ اس حالت میں آئے جب کہ وہ حصولِ علم میں مشغول ہو تو اُس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا جو درجۂ نبوۃ ہوگا۔[٩٠]

مَنْ جَاءَهُ اَجَلُهُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْاِسْلَامَ، لَمْ يَفْضُلْهُ النَّبِيُّوْنَ اِلَّا بِدَرَجَةٍ: جس شخص کی موت اس حال میں آجائے جب کہ وہ اسلام کو زندہ کرنے کی غرض سے تحصیلِ علم میں مصروف ہو تو انبیاء اُس سے صرف ایک درجہ آگے رہیں گے۔[٩١]

عالم فتنوں سے بچا رہتا ہے

اِنَّ الْفِتْنَةَ تَجِيْءُ فَتَنْسِفُ الْعِبَادَةَ نَسْفًا، وَيَنْجُو الْعَالِمُ مِنْهَا بِعِلْمِهِ: (آنے والے دور میں) ایسا فتنہ آئے گا جو عبادت کو تباہ و غارت کرے گا (اہلِ ایمان کو عبادت کرنا مشکل ہو جائے گا) اس فتنہ سے عالم اپنے علم کے باعث نجات پائے گا۔[٩٢]

اِنَّ الْفِتْنَةَ تَجِيْءُ فَتَنْسِفُ الْعِبَادَ نَسْفًا وَيَنْجُو الْعَالِمُ مِنْهَا بِعِلْمِهِ: فتنہ پوشیدہ آئے گا جو عابدوں کو پُوری طرح تباہ کر کے رکھ دے گا۔ مگر عالم اس فتنہ سے اپنے علم کے باعث بچ جائے گا۔[٩٣]

جنت میں بھی علماء کی ضرورت پڑے گی

اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَحْتَاجُوْنَ اِلَى الْعُلَمَاءِ فِي الْجَنَّةِ. وَذٰلِكَ اَنَّهُمْ يَزُوْرُوْنَ اللّٰهَ

---

[٩٠] ابن نجار، بحوالہ کنز العمال ١٠/٩١

[٩١] ایضاً

[٩٢] حلیۃ الاولیاء، بحوالہ کنز العمال ١٠/٨٥

[٩٣] ابوداؤد، حلیۃ الاولیاء، ابن نجار، بحوالہ کنز العمال ١٠/١٠٢

تَعَالٰى فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ، فَيَقُوْلُ لَهُمْ تَمَنَّوْا عَلَى مَا شِئْتُمْ. فَيَلْتَفِتُوْنَ اِلَى الْعُلَمَاءِ فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَا نَتَمَنّٰى؟ فَيَقُوْلُوْنَ تَمَنَّوْا عَلَيْهِ كَذَا وَكَذَا. فَهُمْ يَحْتَاجُوْنَ اِلَيْهِمْ فِي الْجَنَّةِ كَمَا يَحْتَاجُوْنَ اِلَيْهِمْ فِي الدُّنْيَا:

جنت والوں کو جنت میں بھی علماء کی ضرورت پڑے گی۔ وہ اس طرح کہ اہلِ جنت ہر جمعہ کے دن اللہ سے ملنے جائیں گے تو اللہ اُن سے کہے گا کہ تم جو چاہو تمنا کرو۔ تو جنتی لوگ علماء کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے کہ ہم کس چیز کی تمنا کریں؟ تو علماء انہیں بتائیں گے کہ فلاں فلاں چیزوں کی تمنا کرو۔ اس طرح لوگ جنت میں بھی علماء کے محتاج رہیں گے جس طرح کہ وہ دُنیا میں اُن کے محتاج تھے۔[٩٤]

علماء کی مغفرت

يَبْعَثُ اللّٰهُ تَعَالَى الْعِبَادَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ يُمَيِّزُ الْعُلَمَاءَ فَيَقُوْلُ يَا مَعْشَرَ الْعُلَمَاءِ اِنِّيْ لَمْ اَضَعْ فِيْكُمْ عِلْمِيْ وَاَنَا اُرِيْدُ اَنْ اُعَذِّبَكُمْ، اِذْهَبُوْا فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کو اُٹھائے گا۔ پھر علماء کو ان سے الگ کر کے فرمائے گا کہ اے گروہ علماء! میں نے تم میں اپنا علم اس لیے نہیں رکھا کہ تمہیں عذاب دوں۔ جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا۔[٩٥]

انبیاء کے ساتھی

وَاِنَّ طَالِبَ عِلْمٍ وَالْمَرْاَةَ الْمُطِيْعَةَ لِزَوْجِهَا وَالْوَلَدَ الْبَارَّ بِوَالِدَيْهِ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ مَعَ الْاَنْبِيَاءِ بِغَيْرِ حِسَابٍ: طالبِ علم، اپنے شوہر کی اطاعت کرنے والی عورت اور اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والا لڑکا نبیوں کے ساتھ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔[٩٦]

طَالِبُ الْعِلْمِ طَالِبُ الرَّحْمٰنِ، طَالِبُ الْعِلْمِ رُكْنُ الْاِسْلَامِ، وَيُعْطَى اَجْرَهُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ: علم کا طالب خدائے رحمان کا طالب ہے۔ علم کا طالب اسلام کا رُکن ہے اور اُس کا اجر

---

[٩٤] ابن عساکر، منقول از کنز العمال ١٠/٨٥-٨٦

[٩٥] ابن عدی، بیہقی، منقول از کنز العمال ١٠/٩٩

[٩٦] کنز العمال ١٠/٩١

ہیتوں کے ساتھ دیا جائے گا۔[۹۷]

قیامت کے دن شفاعت کرنے والے

اَوَّلُ مَنْ يَّشْفَعُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الْاَنْبِيَاءُ، ثُمَّ الْعُلَمَاءُ، ثُمَّ الشُّهَدَاءُ: قیامت کے دن پہلے شفاعت (سفارش) کرنے والے انبیاء ہوں گے، پھر علماء ہوں گے اور پھر اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے۔[۹۸]

يُبْعَثُ الْعَالِمُ وَالْعَابِدُ فَيُقَالُ لِلْعَابِدِ اُدْخُلِ الْجَنَّةَ، وَيُقَالُ لِلْعَالِمِ اثْبُتْ حَتّٰى تَشْفَعَ النَّاسَ بِمَا اَحْسَنْتَ اَدَبَهُمْ: قیامت کے دن عالم اور عابد کو اٹھایا جائے گا۔ عابد سے تو کہا جائے گا کہ تو جنت میں چلا جا۔ مگر عالم سے کہا جائے گا کہ تو ذرا ٹھہر جا تاکہ تو لوگوں کی سفارش کر سکے، کیونکہ تو نے انہیں ادب سکھایا ہے۔[۹۹]

باقی رہنے والی تین چیزیں

انسان جب مر جاتا ہے تو اس کے سارے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ مگر تین چیزیں باقی رہتی ہیں جو اسے ہمیشہ فائدہ پہنچاتی رہتی ہیں۔

اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهُ اِلَّا ثَلَاثٌ: عِلْمٌ يُّنْتَفَعُ بِهِ، اَوْ صَدَقَةٌ تَجْرِيْ لَهُ، اَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَّدْعُوْلَهُ: جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے، سوائے تین چیزوں کے: وہ کوئی ایسا علم چھوڑ گیا ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ یا کوئی خیراتی کام کر گیا ہے جو اس کے نام سے جاری ہے (صدقۂ جاریہ) یا اس کا نیک لڑکا ہے جو اس کے لئے دعا کرتا رہتا ہے۔[۱۰۰]

وہ خزانہ جو خرچ نہ کیا جائے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَثَلُ عِلْمٍ لَا يُنْتَفَعُ بِهٖ كَمَثَلِ كَنْزٍ

---

[۹۷] دیلمی، منقول از کنز العمال ۱۰/۹۱
[۹۸] مرهبی و خطیب، بحوالہ کنز العمال ۱۰/۸۶
[۹۹] ابن عدی و بیہقی، بحوالہ کنز العمال ۱۰/۹۹
[۱۰۰] سنن دارمی ۱/۱۳۹

لَا يُنْفَقُ مِنْهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اس علم کی مثال جس سے فائدہ نہ اٹھایا جاتا ہو ایسی ہی ہے جیسے ایک خزانہ تو موجود ہے مگر اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جاتا ہو۔[۱۰۱]

حقیقت یہ ہے کہ علم ایک ایسی چیز ہے جو بغیر کسی معاوضے کے اللہ کی راہ میں خرچ کی جانی چاہئے۔ اور علم ایک ایسا خزانہ ہے جو خرچ کرنے کے باوجود گھٹتا نہیں (بخلاف مال و دولت کے) بلکہ وہ ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے۔

سب سے بڑا عالم کون ہے؟

عَنْ طَاؤُسٍ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلعم اَيُّ النَّاسِ اَعْلَمُ؟ قَالَ مَنْ جَمَعَ عِلْمَ النَّاسِ اِلٰى عِلْمِهٖ۔ وَكُلُّ طَالِبِ عِلْمٍ غَرْثَانُ اِلٰى عِلْمٍ: طاؤس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ جاننے والا شخص کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ شخص جو لوگوں کا علم اپنے علم کے ساتھ جمع کرلے (یعنی تمام لوگوں کا علم حاصل کرلے) اور ہر طالب علم علم کا بھوکا ہوتا ہے۔[۱۰۲]

علم کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اس کی کوئی حد و انتہاء نہیں ہوتی۔ لہٰذا صحیح معنی میں عالم وہی شخص ہو سکتا ہے جو نئی نئی باتوں، نئے نئے علوم اور نئے نئے مسائل کی کھوج میں لگا رہے اور کبھی اپنے علم پر قانع یا مغرور نہ ہو۔ بلکہ ہمیشہ اپنے آپ کو چھوٹا اور حقیر تصور کرتے ہوئے تحصیلِ مزید میں منہمک رہے۔ اس اعتبار سے سب سے بڑا عالم وہ ہے جو ہمیشہ اپنے آپ کو طالب علم سمجھ کر تحصیلِ علم میں مشغول رکھتا ہو۔ اور جس شخص میں یہ شان پائی نہ جائے وہ پیٹ بھرا ہے۔ جیسا کہ ایک دوسری روایت میں ہے:

اَجْوَعُ النَّاسِ طَالِبُ الْعِلْمِ وَاَشْبَعُهُمُ الَّذِيْ لَا يَبْتَغِيْهِ: سب سے بھوکا شخص وہ ہے جو علم کا طالب ہو اور سب سے زیادہ پیٹ بھرا وہ ہے جو اس کا طالب نہ ہو۔[۱۰۳]

نوٹ: حدیث مذکور میں "علم الناس" سے مُراد اقوامِ عالم کے علوم و فنون بھی ہو سکتے ہیں جو تمدنی

---

[۱۰۱] سنن دارمی ۱/۱۳۸
[۱۰۲] ایضاً ۱/۸۶-۸۷
[۱۰۳] ابونعیم، مسند فردوس، منقول از کنز العمال ۱۰/۷۸

و اجتماعی نقطۂ نظر سے مفید اور اہم ہوں ۔ لہٰذا جدید علوم اور جدید مسائل سے چھوت چھات برتنا جائز نہیں ہے ۔

بہترین لوگ کون ہیں ؟

خَیْرُ النَّاسِ اَقْرَؤُهُمْ لِلْقُرْآنِ ، وَاَفْقَهُهُمْ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ ، وَاَتْقَاهُمْ ، وَاٰمَرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ ، وَاَوْصَلُهُمْ لِلرَّحِمِ : سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو قرآن زیادہ پڑھنے والے ، اللہ کے دین میں زیادہ سمجھ رکھنے والے ، اللہ سے زیادہ ڈرنے والے ، معروف کا سب سے زیادہ حکم کرنے والے ، منکر کو سب سے زیادہ روکنے والے اور صلہ رحمی میں سب سے بڑھ کر ہوں [۱۰۴]

اس میں دین اسلام کا خلاصہ اور جوہر آگیا ہے جو اسلامی تعلیمات کا بھی حاصل ہے ۔ تعلیم کا اصل مقصد یہی ہے کہ ہر مومن و مسلم میں یہ صفات پیدا ہو جائیں ۔ جب کسی معاشرے کے افراد میں یہ صفاتِ عالیہ پیدا ہو جائیں تو سمجھنا چاہئے کہ وہ معاشرہ بہت کامیاب و کامران ہے اور اُس کے علماء اپنے فرائضِ منصبی بخوبی انجام دے رہے ہیں ۔

علماء آسمان کے ستارے

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : اِنَّ مَثَلَ الْعُلَمَاءِ فِی الْاَرْضِ کَمَثَلِ النُّجُوْمِ فِی السَّمَاءِ یُهْتَدٰی بِهَا فِیْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ، فَاِذَا انْطَمَسَتِ النُّجُوْمُ اَوْشَکَ اَنْ تَضِلَّ الْهُدَاةُ : رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ علماء کی مثال زمین میں ایسی ہی ہے جیسے آسمان میں ستارے ، جن کے ذریعہ بر و بحر کی تاریکیوں میں منزل کا راستہ معلوم کیا جاتا ہے ۔ جب یہ ستارے ختم ہو جائیں تو قریب ہے کہ راستہ معلوم کرنے والے بھٹک جائیں [۱۰۵]

اسی لئے تحصیلِ علم کی بہت زیادہ فضیلت ہے کہ علم کے سلسلے کو باقی رکھنے کے لئے علماء کے جانشینوں کا پیدا ہوتے رہنا بہت ضروری ہے ۔ ورنہ یہ علم ختم ہو جائے گا اور لوگ بے علمی کے عالم میں بھٹکتے رہ جائیں گے ۔ چنانچہ منقول ہے :

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ : مَالِیْ اَرٰی عُلَمَاءَکُمْ یَذْهَبُوْنَ وَجُهَّالُکُمْ لَا یَتَعَلَّمُوْنَ ؟ تَعَلَّمُوْا قَبْلَ اَنْ یُرْفَعَ الْعِلْمُ ۔ فَاِنَّ رَفْعَ الْعِلْمِ ذَهَابُ الْعُلَمَاءِ : حضرت ابو درداء نے فرمایا :

---

[۱۰۴] مسند احمد ، طبرانی و بیہقی ، منقول از کنز العمال ۱۰/۱۰۴

[۱۰۵] مسند احمد بن حنبل ، ۳/۱۵۷ ، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۔

کیا بات ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے علماء تو ختم ہو رہے ہیں مگر تمہارے جاہل لوگ علم حاصل نہیں کر رہے ہیں ؟ تو علم اُٹھ جانے سے پہلے اسے حاصل کر لو ۔ اور علم کا اُٹھ جانا علماء کا ختم ہو جانا ہے [۱۰۶]

عالم کی موت ایک بڑی تباہی

مَوْتُ الْعَالِمِ ثُلْمَةٌ فِی الْاِسْلَامِ لَا تُسَدُّ مَا اخْتَلَفَ اللَّیْلُ وَالنَّهَارُ : عالم کی موت اسلام میں ایک ایسا شگاف ہے جس کو بند نہیں کیا جا سکتا ، خواہ لیل و نہار کتنے ہی بدل جائیں [۱۰۷]

مطلب یہ کہ زمانہ کتنا ہی کیوں نہ بدل جائے ایک عالم کی موت سے دنیائے اسلام کو جو نقصان پہنچتا ہے اس کی تلافی مشکل ہی سے ہو سکتی ہے ۔

مَا قَبَضَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَالِمًا مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا کَانَ ثُغْرَةً فِی الْاِسْلَامِ ، لَا تُسَدُّ ثُغْرَتُهُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ : اللہ تعالیٰ اس اُمت کے جس عالم کو بھی اُٹھا لیتا ہے تو اسلام میں ایک ایسا رخنہ پیدا ہو جاتا ہے جس کو قیامت تک بند نہیں کیا جا سکتا [۱۰۸]

علماء کی اطاعت ضروری

عَنْ عَطَاءٍ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ، قَالَ اُولُوا الْعِلْمِ وَالْفِقْهِ وَطَاعَةُ الرَّسُوْلِ اتِّبَاعُ الْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ : عطاء سے منقول ہے کہ ارشادِ باری (نساء : ۵۹) "اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اُن لوگوں کی جو تم میں صاحبِ معاملہ ہیں" میں "صاحبِ معاملہ" لوگوں سے مراد علم اور دینی سمجھ رکھنے والے ہیں ۔ اور رسول کی اطاعت سے مراد کتاب و سنت کی پیروی ہے [۱۰۹]

مگر موجودہ فتنوں کے دور میں علماء کا یہ مقام و مرتبہ بالکل گھٹ گیا ہے ۔ اور اس کی جگہ سیاسی بازیگروں ، کھیل تماشے دکھانے والوں اور بھانڈوں وغیرہ کا دور دورہ ہو گیا ہے جو قیامت کی ایک واضح

---

[۱۰۶] سنن دارمی ۱/۸۷

[۱۰۷] بزار ، ابن لال ، منقول از کنز العمال ۱۰/۸۵

[۱۰۸] سجزی و مرہبی ، " " ۱۰/۸۹

[۱۰۹] سنن دارمی ۱/۷۲

علامت ہے۔ علم مسلمانوں کی میراث ہے مگر آج مسلمان اسی علم سے دُور بھاگ رہے ہیں۔

حصولِ علم بڑی عمر میں

عام طور پر یہ بات مشہور ہے کہ حصولِ علم کے لئے سب سے بہترین وقت لڑکپن کا دَور ہے۔ اور یہ بات اکثر و بیشتر صحیح بھی ہے۔ چنانچہ خود ایک روایت میں آتا ہے:

حِفْظُ الْغُلَامِ كَالْوَسْمِ عَلَى الْحَجَرِ، وَحِفْظُ الرَّجُلِ بَعْدَ مَا يَكْبَرُ كَالْكِتَابَةِ عَلَى الْمَاءِ: لڑکے کا یاد کرنا پتھر پر نقش کی طرح ہے۔ اور کسی شخص کا بڑا ہونے کے بعد یاد کرنا پانی پر لکھنے کی طرح ہے۔[۱۱۰]

مگر اکثر و بیشتر صحابۂ کرام نے تحصیلِ علم بڑی عمر میں کیا ہے۔ اور قرآن و حدیث کو انہوں نے اس طرح یاد کیا کہ یہ بات اسلام کے معجزات میں شمار ہوتی ہے۔ بہرحال اس سلسلے میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے:

وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ تَفَقَّهُوْا قَبْلَ اَنْ تُسَوَّدُوْا، وَقَدْ تَعَلَّمَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ كِبَرِ سِنِّهِمْ: حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم لوگ سردار بنائے جانے سے پہلے دین کی سمجھ حاصل کرو۔ نبی کریم صلعم کے صحابہ نے بڑی عمر میں علم حاصل کیا ہے۔[۱۱۱]

حاصل یہ کہ لڑکپن میں علم حاصل کرنا بڑی اچھی بات ہے۔ اگر کسی کو اس کے مواقع میسّر آجائیں تو وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے بچپن میں تعلیم حاصل نہ ہو سکی تو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ بڑی عمر میں تعلیم حاصل کرنا محال یا ناممکن ہے۔ بلکہ علم ایک ایسی چیز ہے جس کا حصول مرنے تک بھی جاری رہ سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ تعلیم بالغاں کے حلقے قائم کئے جائیں اور چند ہم ذوق لوگ مل کر علمی مذاکرہ کی مجلسیں منعقد کریں۔

علمی مذاکرہ کی مجلس پر نزولِ رحمت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتَذَاكَرُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهُ بَيْنَهُمْ اِلَّا اَظَلَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ بِاَجْنِحَتِهَا حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ۔ وَمَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَبْتَغِيْ بِهِ الْعِلْمَ سَهَّلَ اللّٰهُ طَرِيْقَهُ مِنَ الْجَنَّةِ۔ وَمَنْ اَبْطَأَ

[۱۱۰] ابونعیم و خطیب، منقول از کنز العمال ۱۰/۱۴۰

[۱۱۱] صحیح بخاری کتاب العلم، ۱/۲۶، مطبوعہ استانبول

بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ:

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے کسی گھر میں جب کچھ لوگ اللہ کی کتاب کی باہمی تعلیم و تدریس میں لگ جاتے ہیں تو فرشتے اپنے پروں کے ذریعہ ان پر سایہ فگن ہو جاتے ہیں جب تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول نہ ہو جائیں۔ جو شخص علم کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے جنّت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ اور جس شخص کا عمل کسی کو پیچھے ڈال دے تو اُس کا نسب اُسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔[۱۱۲]

قرآن پڑھنے کا حق

قرآن مجید کو پڑھنے کا صحیح حق یہ ہے کہ اسے سمجھا جائے اور سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ کیونکہ قرآن نہ صرف تمام آسمانی کتابوں کا نچوڑ ہے بلکہ وہ تمام علوم و معارف کا خلاصہ بھی ہے۔[۱۱۳] اس میں دین و دُنیا اور شریعت و فطرت کے تمام بنیادی اُصول اور حقائق جمع کر دیئے گئے ہیں، جس کی بنا پر یہ قیامت تک ہر دور والوں کے لئے صحیفۂ ہدایت بنا رہے گا اور اس کی تر و تازگی میں کوئی فرق نہیں آسکے گا۔ چونکہ وہ ہمارے تمام دینی و شرعی اور تمدنی و اجتماعی اُمور و مسائل میں مرکز و محور کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اس کے مضامین و مندرجات میں غور و فکر اور تفکر و تدبر کرنا اور ہر دور کے مسائل و مشکلات کے حل کے سلسلے میں اس سے رہنمائی حاصل کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا قرآن کو محض طوطے مینے کی طرح بے سمجھے بُوجھے پڑھنے کے بجائے اسے سمجھ کر پڑھنے کی بڑی اہمیت ہے۔ بہرحال قرآن کی تلاوت کا صحیح حق یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے ظرف کے مُطابق اسے سمجھنے اور اس کے مضامین میں غور و فکر کرنے کی عادت ڈالے۔

عَنِ الضَّحَّاكِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ، قَالَ حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ اَنْ يَكُوْنَ فَقِيْهًا: ضحاک کہتے ہیں کہ آیتِ کریمہ: "لیکن تم لوگ اللہ والے بن جاؤ اس لئے کہ تم اللہ کی کتاب سکھاتے ہو" (آلِ عمران: ۷۹) کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اُس پر یہ حق عائد ہوتا

[۱۱۲] دارمی ۱/۱۰۱

[۱۱۳] ملاحظہ ہو الاتقان فی علوم القرآن، بحث فی العلوم المستنبطة من القرآن، جلد ۲ صفحات ۱۶۰ - ۱۶۶، مطبوعہ مصر، ۱۳۹۸ھ

ہے کہ وہ دین کی سمجھ حاصل کرنے والا ہے۔[۱۱۴]

ایک آیت کا علم حاصل کرنے کا مرتبہ

يَا اَبَاذَرٍّ! لَاَنْ تَغْدُوَ فَتَعَلَّمَ آيَةً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَكَ مِنْ اَنْ تُصَلِّيَ مِائَةَ رَكْعَةٍ، وَلَاَنْ تَغْدُوَ فَتَعَلَّمَ، بَابًا مِنَ الْعِلْمِ، عُمِلَ بِهِ اَوْ لَمْ يُعْمَلْ خَيْرٌ مِنْ اَنْ تُصَلِّيَ اَلْفَ رَكْعَةٍ:

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اے ابوذر! صبح کے وقت گھر سے نکل کر قرآن کی ایک آیت کا علم حاصل کر لینا تیرے لئے سو رکعت نماز پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے۔ اسی طرح صبح کے وقت گھر سے نکل کر علم کا کوئی حصہ حاصل کر لینا، خواہ اس پر عمل کیا جائے یا نہ کیا جائے، اس سے زیادہ بہتر ہے کہ تو ہزار رکعت نماز پڑھے۔[۱۱۵]

چالیس حدیثیں حاصل کرنے کا مرتبہ

مَنْ تَعَلَّمَ اَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى، لِيُعَلِّمَ بِهِ اُمَّتِيْ فِيْ حَلَالِهِمْ وَ حَرَامِهِمْ حَشَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمًا: جس شخص نے چالیس حدیثیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی غرض سے حاصل کیں تاکہ وہ اُمّت کو حلال و حرام کی تعلیم دے سکے تو قیامت کے دن اللہ اُسے عالم بنا کر اُٹھائے گا۔[۱۱۶]

سُنّتوں کو زندہ کرنے کی فضیلت

مَنْ اَحْيَا سُنَّةً مِنْ سُنَّتِيْ فَعَمِلَ بِهَا النَّاسُ، كَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا. وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً فَعُمِلَ بِهَا كَانَ عَلَيْهِ اَوْزَارُ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ اَوْزَارِ مَنْ عَمِلَ بِهَا شَيْئًا:

جس شخص نے میری کسی ایک سُنّت کو زندہ کیا اور لوگوں نے اس پر عمل کیا تو اس کے لئے عمل کرنے والوں کے برابر اجر دیا جائے گا اور لوگوں کے اپنے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور جس نے کوئی بدعت جاری کی اور

---

[۱۱۴] دارمی ۹۵/۱

[۱۱۵] سُنن ابن ماجہ مقدمہ ۷۹/۱، دار الفکر بیروت۔

[۱۱۶] ابونعیم، منقول از کنز العمال، ۹۳/۱۰

اس پر عمل کیا گیا تو اس بدعت پر عمل کرنے والوں کے سارے گناہ بدعت جاری کرنے والے کی گردن پر ہوں گے اور اس بدعت پر عمل کرنے والوں کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔[۱۱۷]

دین کا اولین ضیاع ترکِ سُنّت پر

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ قَالَ: بَلَغَنِيْ اَنَّ اَوَّلَ ذَهَابِ الدِّيْنِ تَرْكُ السُّنَّةِ، يَذْهَبُ الدِّيْنُ سُنَّةً سُنَّةً، كَمَا يَذْهَبُ الْحَبْلُ قُوَّةً قُوَّةً: عبداللہ بن دیلمی کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ دین کا اولین نقصان ترکِ سُنّت ہے۔ دین ایک ایک سُنّت کے نقصان سے اس طرح رخصت ہو جائے گا جس طرح رسّی ایک ایک بل کر کے کھل جاتی ہے۔[۱۱۸]

فَاِنَّهٗ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا. فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ. عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ. وَاِيَّاكُمْ وَالْمُحْدَثَاتِ، فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سارا اختلاف دیکھے گا۔ تو اختلاف کی صورت میں تم میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سُنّت کو اختیار کرو اور اُسے مضبوطی سے تھام لو۔ اور دین میں نئی باتوں سے بچو۔ کیونکہ (دینی معاملات میں) ہر نئی چیز بدعت ہے۔[۱۱۹]

بعض لوگ دینی معاملات اور تمدنی چیزوں میں خلط ملط کر دیتے ہیں۔ تو یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ تمدنی اشیاء میں جدّت اور نئے پن کی دین میں مذمت نہیں کی گئی ہے، بلکہ اس کی تعریف و تحسین کی گئی ہے، جیسا کہ اس پر تفصیلی بحث پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔ اب رہے دینی و شرعی معاملات تو ان میں نئی چیز اختیار کرنا یا کسی عبادت کو گھٹانا یا بڑھانا سب کچھ بدعت میں داخل ہے جو سخت مذموم ہے۔ اور جب کبھی بدعتوں کا ظہور ہو تو اس سلسلے میں سلفِ صالحین کے عمل کی طرف دیکھنا ضروری ہو جاتا ہے، جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے:

---

[۱۱۷] ابن ماجہ ۷۶/۱

[۱۱۸] سنن دارمی ۴۵/۱

[۱۱۹] ایضاً

قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ قَبْلَ اَنْ يُّقْبَضَ، وَقَبْضُهٗ اَنْ يَّذْهَبَ اَهْلُهٗ، اَلَا وَاِيَّاكُمْ وَالتَّنَطُّعَ وَالتَّعَمُّقَ وَالْبِدَعَ، وَعَلَيْكُمْ بِالْعَتِيْقِ : ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ علم کو اس کے اٹھائے جانے سے پہلے حاصل کرو، اور اس کا اٹھایا جانا اہلِ علم کا رخصت ہو جانا ہے۔ ہاں تو دیکھو دین کے معاملے میں بے جا غلو کرنے، بال کی کھال نکالنے اور بدعتوں کو رواج دینے سے بچو۔ اور اس معاملے میں قدیم چیزوں کو اختیار کرو۔[۱۲۰]

قرآنی شبہات کا جواب حدیث میں

قرآنی الفاظ ذو معنی و متعدد مطالب کے حامل ہوتے ہیں۔ یعنی اس کے معانی و مطالب میں بڑی لچک اور وسعت ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے بعض اوقات کج فہم لوگ اس سے غلط معنی نکالتے ہیں اور لوگوں میں شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں۔ مگر احادیثِ نبوی میں قرآن کے اصل مقصود و مدعا کو اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ اس قسم کے قرآنی ابہامات کا بھی سدباب ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ نے فرمایا :

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اِنَّهٗ سَيَاْتِيْ نَاسٌ يُجَادِلُوْنَكُمْ بِشُبُهَاتِ الْقُرْاٰنِ فَخُذُوْهُمْ بِالسُّنَنِ، فَاِنَّ اَصْحَابَ السُّنَنِ اَعْلَمُ بِكِتَابِ اللّٰهِ : حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عنقریب کچھ لوگ آئیں گے جو تمہارے ساتھ قرآن کے شبہات کے بارے میں جھگڑا کریں گے، تو انہیں سنتوں کے ذریعہ پکڑو، کیونکہ اصحابِ سنن اللہ کی کتاب کو زیادہ جانتے ہیں۔[۱۲۱]

فتویٰ دینے میں احتیاط ضروری

بعض لوگوں کو ہر مسئلے میں اٹکل پچو گفتگو کرنے کا بہت شوق ہوتا ہے، خواہ وہ متعلقہ مسئلے کو ٹھیک سے سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں۔ ایسے لوگوں کو نامعلوم مسائل میں گفتگو کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ قرآن مجید میں صاف صاف کہا گیا ہے :

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ، اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ

---

[۱۲۰] سنن دارمی ۵۳/۱
[۱۲۱] ایضاً ۴۹/۱

مَسْئُوْلًا : اور جس بات کا تجھے (تحقیقی) علم نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ۔ (ورنہ اس سلسلے میں) سننے، دیکھنے اور دل لگانے ہر چیز کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ (بنی اسرائیل : ۳۶)

اسی ضمن میں وہ فتاویٰ بھی آتے ہیں جو بغیر تحقیق کے دئے جائیں یا کسی شرعی مسئلے میں اپنی مجرد رائے کا اظہار کیا جائے۔ چنانچہ روایات میں بکثرت مروی ہے کہ نامعلوم مسائل میں گفتگو کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ اور خاص کر صحابۂ کرام ایسے امور و مسائل میں گفتگو کرنے سے اجتناب کرتے تھے جو ابھی پیش نہ آئے ہوں۔ اور ہر مسئلے میں فتویٰ دینے کی بہ نسبت توقف یا اپنی ناواقفیت کا صاف اعتراف کر لیتے تھے۔ بعض صحابہ سے مروی ہے کہ ہر مسئلے میں فتویٰ دینے والا پاگل ہے۔ اور بعض صحابہ و تابعین اپنی لاعلمی کا اعتراف کرنے میں فخر کیا کرتے تھے اور "لَا اَدْرِيْ" (میں نہیں جانتا) کو نصف علم شمار کرتے تھے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلعم مَنْ اَفْتٰى بِفُتْيَا مِنْ غَيْرِ ثَبْتٍ فَاِنَّمَا اِثْمُهٗ عَلٰى مَنْ اَفْتَاهُ : حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ جس نے بغیر دلیل کے فتویٰ دیا تو اس کا گناہ اسی پر ہے جس نے فتویٰ دیا ہے۔[۱۲۲]

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَجْرَأُكُمْ عَلَى الْفُتْيَا اَجْرَأُكُمْ عَلَى النَّارِ : رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تم میں جو شخص فتویٰ دینے پر جری ہو وہ آگ (دوزخ) میں داخل ہونے پر بھی جری ہے۔[۱۲۳]

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ الَّذِيْ يُفْتِي النَّاسَ فِيْ كُلِّ مَا يَسْتَفْتُوْنَهٗ لَمَجْنُوْنٌ : حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ وہ شخص جو ہر مسئلے میں فتویٰ دیتا ہے پاگل ہے۔[۱۲۴]

جَاءَ رَجُلٌ يَوْمًا اِلَى ابْنِ عُمَرَ فَسَاَلَهٗ عَنْ شَيْءٍ لَا اَدْرِيْ مَا هُوَ، فَقَالَ لَهُ ابْنُ عُمَرَ لَا تَسْاَلْ عَمَّا لَمْ يَكُنْ، فَاِنِّيْ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَلْعَنُ مَنْ سَاَلَ عَمَّا لَمْ يَكُنْ : ایک شخص ایک دن حضرت ابن عمرؓ کے پاس آیا اور آپ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا (میں نہیں جانتا کہ وہ مسئلہ

---

[۱۲۲] سنن دارمی ۵۷/۱
[۱۲۳] ایضاً ایضاً
[۱۲۴] ایضاً ۴۹/۱

کیا تھا) تو ابنِ عمرؓ نے اُس سے کہا کہ تو اُس مسئلے کے بارے میں (ابھی) مت پُوچھ جو پیش نہیں آیا ہے. کیونکہ میں نے حضرت عمرؓ سے سُنا ہے کہ آپ اُس شخص پر لعنت کیا کرتے تھے جو غیر واقع چیز کے بارے میں سوال کرتا ہو.[۱۲۵]

عَنْ طَاؤُسٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ عَلَى الْمِنْبَرِ اُحَرِّجُ بِاللّٰهِ عَلٰى رَجُلٍ سَأَلَ عَمَّا لَمْ يَكُنْ، فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَيَّنَ مَا هُوَ كَائِنٌ : طاؤس کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے (ایک مرتبہ) منبر پر فرمایا کہ اُس شخص پر میں اللہ کے واسطے سے تنگی کرتا ہوں (اُسے روکتا ہوں) جو غیر واقع شدہ بات کے بارے میں دریافت کرتا ہو. اللہ تعالیٰ نے جو کچھ واقع ہونے والا ہے کھول کر بیان کر دیا ہے۔ (جب اُس کا وقت آئے گا تو وہ مسئلہ خود بخود واضح ہو جائے گا.)[۱۲۶]

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا:

فَإِذَا سُئِلْتُمْ عَنْ شَيْءٍ فَانْظُرُوْا فِي كِتَابِ اللّٰهِ، فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْهُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَفِي سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ، فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْهُ فِي سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَمَا أَجْمَعَ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ، فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْمَا اجْتَمَعَ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ فَاجْتَهِدْ رَأْيَكَ، وَلَا تَقُلْ إِنِّيْ أَخَافُ وَأَخْشٰى، فَإِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَالْحَرَامَ بَيِّنٌ، وَبَيْنَ ذٰلِكَ أُمُوْرٌ مُشْتَبِهَةٌ، فَدَعْ مَا يُرِيْبُكَ إِلٰى مَا لَا يُرِيْبُكَ :

جب تم سے کسی چیز کے بارے میں پُوچھا جائے تو (پہلے) کتاب اللہ میں نظر ڈال کر (اُس مسئلہ کا حل تلاش کرو)۔ اگر تم اُسے کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو مسئلہ کا حل رسول اللہ کی سُنّت میں تلاش کرو۔ اگر تم رسول اللہ کی سُنّت میں بھی اُسے نہ پاؤ تو دیکھو کہ مسلمانوں کا اتفاق (اجماع) کس چیز میں ہے۔ اگر مسلمانوں کے اجماع میں بھی اس کا حل نہ مل سکے تو اپنی رائے کے مطابق اجتہاد کرو۔ اور ایسا مت کہو کہ میں ڈرتا ہوں اور خوف محسوس کرتا ہوں کیونکہ (اللہ کی شریعت میں) حلال اور حرام دونوں خوب واضح ہیں۔ مگر حلال و حرام کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں۔ تو تم مشکوک چیز کو چھوڑ دو اور غیر مشکوک چیز کو اختیار کر لو۔[۱۲۷]

قَالَ حُذَيْفَةُ إِنَّمَا يُفْتِي النَّاسَ أَحَدُ ثَلَاثَةٍ : رَجُلٌ عَلِمَ نَاسِخَ الْقُرْآنِ مِنْ

---

[۱۲۵] سُنن دارمی ۱/۵۰
[۱۲۶] ایضاً
[۱۲۷] ایضاً ۱/۶۱

مَنْسُوْخِهٖ، قَالُوْا وَمَنْ ذَاكَ ؟ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، قَالَ وَأَمِيْرٌ لَا يَجِدُ بُدًّا، أَوْ أَحْمَقُ مُتَكَلِّفٌ : حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ لوگوں کو فتویٰ دینے والے تین آدمی ہیں : (۱) وہ شخص جو قرآن کے ناسخ اور منسوخ کا علم رکھنے والا ہو۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کون ہے ؟ تو آپ نے کہا کہ وہ حضرت عمرؓ ہیں۔ (۲) اور مسلمانوں کا امیر (یا خلیفہ جو کسی سے) دبتا نہ ہو۔ (۳) یا کوئی احمق اور فضول آدمی.[۱۲۸]

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ قَالَ إِذَا سُئِلْتُمْ عَمَّا لَا تَعْلَمُوْنَ فَاهْرُبُوْا، قَالَ وَكَيْفَ الْهَرَبُ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؟ قَالَ تَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ أَعْلَمُ : حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جب تم سے کوئی ایسی بات پوچھی جائے جو تم نہیں جانتے تو تم بھاگو۔ کسی نے پُوچھا کہ اے امیر المومنین کس طرح بھاگیں ؟ تو فرمایا کہ تم اس طرح کہو گے کہ اللہ بہتر جانتا ہے.[۱۲۹]

عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ : لَا أَدْرِيْ نِصْفُ الْعِلْمِ : شعبی نے کہا کہ "میں نہیں جانتا" کہنا نصف علم ہے.[۱۳۰]

اس کا حاصل یہ ہے کہ دینی و شرعی اُمور و مسائل میں جب تک کوئی واضح بات یا دلیل موجود نہ ہو، اس پر اظہارِ رائے اور فتوے بازی سے مکمل پرہیز کرنا چاہئے۔ نیز مشکل، پیچ دار اور مغالطہ انگیز قسم کے مسائل بیان کرنے سے بھی اجتناب کرنا ضروری ہے، جیسا کہ بعض اہلِ علم دوسروں کی رائے اور فکر پر اثر انداز ہونے کی غرض سے مسائل میں خواہ مخواہ تکلف و تعمق اور اُلجھاوے سے کام لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یا کسی کو مُشکل میں پھنسانے کے لئے اس طرح کرتے ہیں۔ حدیثِ نبوی کا یہ مختصر سا فقرہ اس سلسلے میں حیرت انگیز جامعیت کا حامل نظر آتا ہے جو اس قسم کی کسی بھی حرکت کو ممنوع قرار دیتا ہے :

عَنْ مُعَاوِيَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْغَلُوْطَاتِ :
حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مسائل کے بیان کرنے میں)

---

[۱۲۸] سُنن دارمی ۱/۶۲
[۱۲۹] ایضاً ۱/۶۳
[۱۳۰] ایضاً

مُغالطہ دینے سے منع فرمایا۔[۱۳۱]

دین کا قیام علم کی اُستواری پر موقوف

جیسا کہ عرض کیا جا چکا دین کی صحت اور دُرستی کے لئے علم کا صحیح اور درست رہنا ضروری ہے۔ وَرنہ علم اگر بگڑ جائے تو دین بھی لازماً بگڑ جائے گا۔ اس لئے علم کی حفاظت اور صحیح اُصولوں کے مطابق اس کی برقراری ہر حال میں ضروری ہے۔

عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: كَانَ مَنْ مَضَى مِنْ عُلَمَائِنَا يَقُولُونَ الْاِعْتِصَامُ بِالسُّنَّةِ نَجَاةٌ، وَالْعِلْمُ يُقْبَضُ قَبْضًا سَرِيعًا، فَنَعْشُ الْعِلْمِ ثَبَاتُ الدِّينِ وَالدُّنْيَا، وَفِي ذَهَابِ الْعِلْمِ ذَهَابُ ذٰلِكَ كُلِّهِ:

امام زُہری فرماتے ہیں کہ ہمارے سابقہ عُلماء کہا کرتے تھے کہ سنّت (رسول) کو مضبوطی سے تھامنے میں ہماری نجات ہے۔ علم تیزی کے ساتھ اُٹھایا جا رہا ہے۔ جب کہ علم کے قیام ہی کے باعث دین و دُنیا کا ثبات ہے اور علم کا ضیاع ان تمام چیزوں کا ضیاع ہے۔[۱۳۲]

علم اور عمل دونوں ضروری

بغیر علم کے عمل خطرات سے خالی نہیں ہوتا اور بغیر عمل کے علم فائدہ نہیں دیتا۔ لہٰذا دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔

قَلِيلُ الْعَمَلِ يَنْفَعُ مَعَ الْعِلْمِ، وَكَثِيرُ الْعَمَلِ لَا يَنْفَعُ مَعَ الْجَهْلِ: تھوڑا سا عمل علم کے ساتھ نفع دے جاتا ہے۔ مگر بہت سا عمل بے علمی کی حالت میں نفع نہیں دیتا۔[۱۳۳]

مَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَلَا يُحْسِنُ الْفَرَائِضَ كَالْبُرْنُسِ لَا رَأْسَ لَهُ: اُس شخص کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے مگر فرائض ٹھیک طرح سے ادا نہیں کرتا ایسی ٹوپی کی طرح ہے جس کا کوئی سر

---

[۱۳۱] ابوداؤد ۲/۶۵، مطبوعہ دار الحدیث حمص (شام)
[۱۳۲] دارمی ۱/۳۵
[۱۳۳] مسند فردوس، بحوالہ کنز العمال ۱۰/۸۸

نہ ہو۔[۱۳۳]

رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيهٍ، وَمَنْ لَمْ يَنْفَعْهُ عِلْمُهُ ضَرَّهُ جَهْلُهُ: کتنے ہی علم والے ایسے ہیں جو بے سمجھ ہیں۔ اور جس شخص کو اُس کا علم نفع نہ پہنچائے اُس کا جہل اُسے نقصان پہنچائے گا۔[۱۳۴]

قَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ بَعْدَ أَنْ تَعْلَمُوا، فَلَنْ يَأْجُرَكُمُ اللّٰهُ بِالْعِلْمِ حَتّٰى تَعْمَلُوا: حضرت معاذ بن جبل نے فرمایا کہ تم علم حاصل کرنے کے بعد جو چاہو کرو۔ مگر (یاد رکھو کہ) اللہ علم کے ذریعہ اُس وقت تک اجر نہیں دے گا جب تک کہ تم عمل نہ کرو۔[۱۳۵]

..... اَبَا الدَّرْدَاءِ يَقُولُ: إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَا يَنْتَفِعُ بِعِلْمِهِ: حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک مرتبے میں سب سے زیادہ بُرا شخص وہ عالم ہوگا جو اپنے علم سے فائدہ نہ اُٹھائے۔[۱۳۶]

أَشَدُّ النَّاسِ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ أَمْكَنَهُ طَلَبُ الْعِلْمِ فِي الدُّنْيَا فَلَمْ يَطْلُبْهُ، وَرَجُلٌ عَلَّمَ عِلْمًا فَانْتَفَعَ بِهِ مَنْ سَمِعَهُ دُونَهُ: قیامت کے دن وہ شخص سخت حسرت کرے گا جس کو دُنیا میں علم حاصل کرنا آسان رہا ہو مگر وہ (اس کے باوجود) حاصل نہ کر سکا ہو۔ اور وہ شخص بھی جو کسی دوسرے کو علم سکھائے اور اُس سے سُننے والا تو فائدہ اُٹھائے مگر وہ خود (سکھانے والا) محروم رہ جائے۔[۱۳۸]

---

[۱۳۴] دیلمی، منقول از کنز العمال ۱۰/۱۰۲
[۱۳۵] طبرانی، 〃 〃 ۱۰/۱۰۹
[۱۳۶] دارمی، ۱/۸۱
[۱۳۷] ایضاً ۱/۸۲
[۱۳۸] ابن عساکر، منقول از کنز العمال ۱۰/۷۹

دوسرا باب

علم کے فتنے اور علمی آفات

قربِ قیامت کی بعض علامتیں

مذکورۂ بالا احادیث و آثار کے ملاحظہ سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ علم کی حقیقت کیا ہے اور اسلام میں اس کی اہمیت و افادیت کا کیا حال ہے! واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں علم ایک عبادت ہے، ایک ایسی افضل ترین عبادت جس سے اونچا مقام کسی دوسری چیز کو حاصل نہیں ہے۔ اور اسی اعتبار سے اس کی ذمہ داریاں بھی بہت زیادہ ہیں، جن کی ادائیگی میں اگر کوتاہی کی جائے تو پھر وہ بجائے مفید ہونے کے مضر بن سکتا ہے اور بجائے اجر و ثواب کے قابلِ مؤاخذہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے علماء کو علم کے شرور و آفات اور اس کے فتنوں سے بچانا اور انہیں کھرا بنانا ضروری ہے۔ اسی بنا پر اسلام میں علم کے فضائل اور اس کے آداب کے ساتھ ساتھ علم کے شرور و آفات کا حال بھی پوری تفصیل کے ساتھ مذکور ہے اور علم کے فتنوں اور اس کی آفتوں کے بارے میں بہت سی پیش گوئیاں بھی موجود ہیں، جو امت کے لئے بطورِ تنبیہ بیان کی گئی ہیں۔

اس اعتبار سے اسلام میں بطورِ پیش بندی ہر چیز کا بیان موجود ہے تاکہ علم کا قافلہ ہمیشہ رواں دواں رہے اور اس کا چشمہ کبھی گدلا نہ ہونے پائے۔ اور اگر کوئی اسے گدلا یا مکدر کرنے کی کوشش کرے تو ہمیشہ ایسے علمائے حق موجود رہیں جو اس چشمہ کی صفائی اور اس کی حفاظت کرتے ہوئے نوعِ انسانی کو بہتر طور پر اس سے سیراب ہونے کا موقع دیتے رہیں۔ گویا کہ خدا کے اس آخری دین کی حفاظت کا انتظام اللہ تعالیٰ نے پوری طرح کر دیا ہے۔ اور بطور پیش بندی ہر چیز کا انتظام پہلے ہی سے کر رکھا ہے۔ اس سے نہ صرف اسلام کے منصوبہ بند نظام ہونے کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ حقیقت بھی پوری طرح ہویدا ہو جاتی ہے کہ اسلام ایک مکمل دین اور مکمل نظام ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کا جس حیثیت سے بھی مطالعہ کیا جائے وہ ہر طرح سے کامل و مکمل نظر آئے گا۔ اور اس میں کسی قسم کی کمی یا کوتاہی محسوس نہ ہوگی، خواہ وہ فکر و فلسفے کا میدان ہو یا اخلاق و شریعت کا۔ ظاہر ہے کہ اتنا مکمل اور جامع نظام پیش کرنا کسی انسان

کے بس کی بات نہیں ہو سکتی۔ اور یہی چیز اسلام کے من جانب اللہ ہونے کی واضح اور روشن ترین دلیل ہے۔

بہرحال پچھلے باب میں علم کے فضائل کا بیان تھا جب کہ پیشِ نظر باب میں علمی فتنوں اور اس سلسلے میں پیش آنے والی آفتوں کو بیان کرنا مقصود ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ علم جس طرح خیر اور بھلائی کا سرچشمہ ہے اسی طرح وہ شر و فساد کا باعث بھی بن سکتا ہے جب کہ اس کے حقوق کی ادائیگی میں غفلت اور لاپروائی برتی جائے اور اسے دنیوی اغراض کے لئے استعمال کیا جائے۔

غرض اسلام میں علم کے فتنوں اور اس کے آفات کا بیان پورے شرح و بسط کے ساتھ موجود ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ ہر دور میں علم کا ایک آپریشن عمل میں آتا ہے اور اس کا فاسد مواد خارج ہو کر وہ تندرست و توانا ہے۔ کیونکہ دین کی استواری علم ہی کی استواری اور اس کی حفاظت پر موقوف ہے۔ اگر علم کا چشمہ گدلا ہو جائے تو پھر دین میں بھی فساد برپا ہو سکتا ہے۔

علم کا اٹھا لیا جانا

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ وَيَثْبُتَ الْجَهْلُ، وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ، وَيَظْهَرَ الزِّنَا: رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ بات کہ علم اٹھا لیا جائے گا، لاعلمی عام ہو جائے گی اور شراب اور زناکاری کا ظہور (دور دورہ) ہو جائے گا۔[1]

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ اَيَّامًا، يُرْفَعُ فِيْهَا الْعِلْمُ، وَيَنْزِلُ فِيْهَا الْجَهْلُ، وَيَكْثُرُ فِيْهَا الْهَرْجُ، وَالْهَرْجُ الْقَتْلُ: رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قیامت کے قریب ایک دور ایسا آئے گا جس میں علم اٹھا لیا جائے گا اور جہل کا دور دورہ ہو جائے گا اور قتل و غارتگری عام ہو جائے گی۔[2]

اصولی اعتبار سے یوں تو علم ایک اکائی ہے جس کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ مگر اصطلاحی طور پر اسے دینی و شرعی اور مادی و طبیعی علم کہا جا سکتا ہے۔ اس اعتبار سے دینی و شرعی علم اصلی و حقیقی ہے، جب کہ مادی و طبیعی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، ۲۸/۱ مطبوعہ استانبول، ۱۹۷۹ء

[2] صحیح مسلم، کتاب العلم، ۲۰۵۶/۴، مطبوعہ ریاض، ۱۴۰۰ھ

علم ضمنی و ثانوی۔ کیونکہ علم اول نہ صرف اخلاقی و معاشرتی اعتبار سے ضروری ہے بلکہ اُخروی نجات کے لئے بھی لازمی اور ناگزیر ہے۔ بالفاظ دیگر علم اول انسان کے معاش و معاد اور اُس کی دُنیا و آخرت کی درستی کا ضامن ہے۔ اور اسی بناء پر وہ حقیقی اور اصلی علم کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ تو اُوپر مذکور احادیث میں علم سے مراد یہی اصلی و حقیقی علم ہے جس کا ضیاع قیامت کی آمد آمد کا اعلان ہے۔ اور جب یہ علم اصلی و حقیقی پوری طرح نظر انداز اور پامال کر دیا جائے تو پھر سمجھ لینا چاہئے کہ اب قیامت کے آنے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔

بے خُدا تہذیب کا کرشمہ

واقعہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں اس علم (دینی و اخلاقی علم) کو نہ صرف تعلیم گاہوں میں بلکہ ہر شعبۂ زندگی میں بُری طرح نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ اور اس کی جگہ مادی و دنیوی علوم نے انسانی ذہن و دماغ پر پوری طرح قبضہ کر لیا ہے، جن کا بنیادی خاصہ "بے خُدائیت" یا خُدا فراموشی ہے۔ اس اعتبار سے موجودہ دور کا انسان اگرچہ بظاہر بہت بڑا "عالم" اور اونچی اونچی ڈگریوں کا حامل نظر آتا ہے، مگر خُدا فراموشی بلکہ خود فراموشی کی وجہ سے وہ اپنے مقصدِ حیات اور اپنی تخلیق کی اصل غرض و غایت کو بالکل ہی نظر انداز کر کے دنیوی کھلونوں سے اپنا دل بہلا رہا ہے اور فانی چیزوں کو مقصودِ حیات بنا کر حیاتِ جاودانی کو فراموش کئے ہوئے ہے۔ اس اعتبار سے علم دُنیا سے رخصت ہو رہا ہے اور جہل و لاعلمی عام ہو رہی ہے۔

غرض اس مادہ پرستانہ یا بے خُدائی تہذیب میں دو دن کی عیاشی اور بدمستی نے چونکہ مرکزی اہمیت حاصل کر لی ہے اس لئے اس خُدا فروشانہ تہذیب میں دل بہلانے اور غم غلط کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ شراب و شباب کو حاصل ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب حقیقی علم رخصت ہو جائے تو پھر اس کا لازمی نتیجہ بے علمی یا بے خُدائیت ہی کی شکل میں ظاہر ہو گا۔ اور بے خُدائیت کا لازمی نتیجہ شراب اور زناکاری کی کثرت کی شکل میں نکلے گا۔ کیونکہ الحاد و بے دینی کی صورت میں دل کا سکون غارت ہو جاتا ہے جو خُدا پرستی کا لازمہ ہے۔ لہٰذا انسان مصنوعی طریقے سے سکون حاصل کرنے کے لئے شراب اور عورت کا سہارا لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اور ان دونوں چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے بسا اوقات اُسے زبردستی، غصبِ حقوق اور قتل و غارت گری سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ اس طرح شراب و شباب کے حصول کے لئے مار دھاڑ اور قتل و غارت گری بھی لازمی طور پر وجود میں آتے ہیں۔

حدیثِ نبوی کا اعجاز

اس اعتبار سے یہ حدیثِ نبوی کا اعجاز ہے کہ اس میں موجودہ دور کی بے خُدا تہذیب کا نقشہ پوری طرح کھینچ کر رکھ دیا گیا ہے اور اُس کے بنیادی عناصر کی نشاندہی صحیح طور پر کر دی گئی ہے۔ غرض بے علمی، شراب نوشی، زناکاری اور مار دھاڑ یا تشدد پسندی موجودہ خُدا فروشانہ تہذیب کے چار بنیادی عناصر ہیں۔ اور آج دُنیا میں ہر جگہ اور ہر ملک میں ان چار چیزوں کا عُروج نظر آ رہا ہے۔ اور یہ چیزیں موجودہ دور کے فیشن میں داخل ہو گئی ہیں۔ چنانچہ موجودہ دور کا بظاہر "مہذب" انسان ان چیزوں کا شیدا نظر آتا ہے اور اسے ان میں کوئی بُرائی نظر نہیں آتی۔ واقعہ یہ ہے کہ شراب اور عورت موجودہ دور کے عظیم ترین فتنے بن چکے ہیں اور تہذیبِ جدید کی کمزوری بھی۔ موجودہ دور کا "مہذب" انسان چاہے وہ گھر میں رہے یا دفتر میں، بازار جائے یا ریستوران، سفر میں ہے یا حضر میں، بغیر شراب اور "شباب" کے زندگی سُونی سُونی اور بے کیف سی محسوس کرتا ہے۔ گویا کہ اُسے ان دو چیزوں کے بغیر زندگی گزارنا ایک بوجھ بلکہ ایک عذاب سا بن گیا ہے۔ لہٰذا تہذیبِ جدید کے علمبردار عورت کو اس کے گھر سے بے گھر کر کے اُسے دفتروں میں، کارخانوں میں، مارکیٹ میں، تجارتی مرکزوں میں، ہوٹلوں میں اور ہوائی جہازوں میں ہر جگہ بھرتی کر لیتے ہیں تاکہ وہ مرد کے دلِ ناشاد کی تسلی اور اُس کے دل بہلاوے کا سامان بن سکے اور اُس کے لئے سستی تفریح مہیا کر سکے۔ اس طرح اب زناکاری کے مواقع آسان سے آسان تر ہو گئے ہیں اور عورت کوڑیوں کے مول بک رہی ہے۔

دل کا چین و سکون خُدائی علم اور خُدائی تہذیب کا خاصہ ہے۔ سکونِ قلب بہت بڑی دولت ہے، نہ صرف روحانی اعتبار سے بلکہ خود معاشرتی، تمدنی اور اجتماعی نقطۂ نظر سے بھی۔ جس شخص کو یہ دولت مل جائے وہ تھوڑی سی چیز پر بھی قناعت کر کے زندگی ہنسی خوشی اور امن و امان کے ساتھ گزار دیتا ہے۔ اس کے برعکس بے خُدا تہذیب میں دل کا چین و سکون چھن جاتا ہے اور انسان ہوس کا بندہ بن کر اور ہر جائز و ناجائز طریقے کو اپنا کر مصنوعی طریقے سے سکونِ قلب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اکثر و بیشتر معاشرتی، تمدنی اور اجتماعی نقطۂ نظر سے امن و امان کو تباہ و غارت کر کے رکھ دیتا ہے۔ "سکونِ قلب" اور "قناعت پسندی" کی یہ دولت صرف خُدائی علم اور خُدائی تہذیب ہی میں مل سکتی ہے، اسے روپے پیسے اور شراب و کباب کی دُنیا میں تلاش کرنا بے سُود ہے۔ اس لحاظ سے موجودہ اخلاقی و سماجی بُرائیوں کا واحد علاج "علم" یا حقیقی علم کی ترویج و اشاعت

ہے۔ جب تک خدائی علم کا پرچار نہ کیا جائے انسان کی اخلاقی و معاشرتی زندگی میں سُدھار نہیں آسکتا اور اُس کا کردار و کیرکٹر درست نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ یہ کہ آج انسان مادی و دنیوی علوم کو اصل تصور کر کے دینی و رُوحانی علم کو نظر انداز کر رہا ہے جس کا نتیجہ دو اور دو چار کی طرح ہمارے سامنے ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دینی علم صرف روحانی سکون اور رُوحانی مسرت ہی کا باعث نہیں بلکہ وہ دنیوی امن و امان قائم کرنے اور معاشرتی و تمدنی اور سیاسی و اجتماعی جھگڑے فسادات کو دُور کرنے کا بھی واحد ذریعہ ہے۔ اور جب تک اس علم حقیقی کا بول بالا نہیں ہوگا دنیا سے معیشت و سیاست کی رقابت و ہوسناکی اور باہمی عناد و دشمنی اور خود غرضیوں کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔

دینی و دنیوی علوم میں ٹکراؤ نہیں ہے

اس اعتبار سے مادی علوم دینی علم کے لئے آج سب سے بڑا چیلنج اور سب سے بڑا فتنہ بن گئے ہیں۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ جدید علوم بذاتِ خود بُرے یا قابلِ مذمت نہیں ہیں۔ بلکہ دراصل اس سلسلے میں صرف نقطۂ نظر بُرا اور قابلِ مذمت ہے، جو مادہ پرستانہ نظریات کی پیداوار ہے۔ ورنہ اگر نقطۂ نظر کی اصلاح ہو جائے تو موجودہ علوم بجائے مضر ہونے کے مفید اور دین و دُنیا کی راہ میں معاون و مددگار بن سکتے ہیں۔ لہٰذا اس سلسلے میں نقطۂ نظر کو بدلنے کے لئے علم کے مقصد و مدعا کا تعین ضروری ہے۔ اور یہ فریضہ علم دین ہی انجام دے سکتا ہے۔

لہٰذا موجودہ دور میں ایسے وسیع النظر علماء کی ضرورت ہے جو دینی و دنیوی علوم میں سے ہر ایک کو اُس کا صحیح مقام اور اُس کا صحیح مرتبہ عطا کرتے ہُوئے نوعِ انسانی کی صحیح معنی میں قیادت کر سکیں۔ واقعہ یہ ہے کہ دینی و دنیوی علوم میں کوئی ٹکراؤ یا تصادم نہیں ہے۔ بلکہ دونوں ایک دوسرے کے بہترین معاون و مددگار بن کر زندگی کی مشکلات حل کر سکتے اور نوعِ انسانی کے گیسو سنوار سکتے ہیں۔

علم اُٹھا لئے جانے کی کیفیت

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا یَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ ، وَ لٰکِنْ یَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰی اِذَا لَمْ یُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُهَّالًا ، فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ ، فَضَلُّوْا وَ اَضَلُّوْا :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ علم اپنے بندوں سے چھین کر نہیں اُٹھائے گا۔ لیکن علم کو علماء کی موت کے ذریعہ اُٹھائے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے۔ جن سے مسائل دریافت کئے جائیں گے۔ تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے اور خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔[3]

علم دین کے لئے سب سے بڑی آفت یہی ہے کہ لوگ دنیوی عیش اور لذتوں میں منہمک ہو کر اس سے دلچسپی لینا چھوڑ دیں۔ ظاہر ہے کہ جب اس کی طرف توجہ کرنے والے بتدریج کم ہوتے جائیں تو یہ علم بتدریج ختم ہو جائے گا۔ پھر جاہلوں کی سرداری کے باعث لوگ گمراہ ہو کر تباہ ہو جائیں گے۔ لہٰذا گمراہی اور تباہی سے بچنے کے لئے علم دین کی ترویج و اشاعت ضروری ہے۔

جب ذمہ داریاں نا اہلوں کے سپرد کی جائیں

فَاِذَا ضُیِّعَتِ الْاَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ . قَالَ کَیْفَ اِضَاعَتُهَا ؟ قَالَ اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک سائل کے جواب میں) فرمایا کہ جب امانت ضائع کی جائے تو تم قیامت کا انتظار کرو۔ اُس نے پوچھا کہ اس کے ضائع ہونے کی کیفیت کیا ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا کہ جب کوئی معاملہ نا اہل شخص کے حوالے کیا جائے تو تم قیامت کا انتظار کرو۔[4]

اس حدیث میں "الامر" سے مراد حکومت کا کوئی منصب بھی ہو سکتا ہے یا کسی بھی محکمہ سے متعلق کوئی عہدہ وغیرہ۔ اس اعتبار سے چاہے سرکاری مناصب ہوں یا غیر سرکاری مناصب، جب تک ان پر قابل اور باصلاحیت لوگ فائز رہیں گے معاملہ درست رہے گا۔ مگر جب ان مناصب پر نا اہل لوگ فائز ہو جائیں گے تو معاملات بگڑ جائیں گے۔ اور یہ بات آثارِ قیامت میں سے ہوگی۔ چنانچہ آپ موجودہ دور میں کسی بھی محکمے یا سرکاری و غیر سرکاری کسی بھی شعبہ کا جائزہ لیجئے ہر جگہ آپ کو مسندوں اور گدیوں پر نا اہلوں کا قبضہ نظر آئے گا۔ بلکہ واقعہ کے اعتبار سے

---

[3] بخاری ۱/۲۲، مسلم ۴/۲۰۵۸، ترمذی ۵/۳۱ مطبوعہ بیروت، ابن ماجہ ۱/۲۰ مطبوعہ بیروت، دارمی ۱/۷۷ مطبوعہ بیروت، مسند احمد بحوالہ کنز العمال ۱۰/۱۰۷ مطبوعہ حیدرآباد۔

[4] بخاری کتاب العلم، ۱/۲۱

"نااہلی" موجودہ دور کی سب سے بڑی خصوصیت نظر آئے گی۔ آج کوئی بھی منصب یا عہدہ با اہل یا با صلاحیت لوگوں کو نہیں ملتا، بلکہ رشوت، لالچ، سفارش یا اُوپری دباؤ کی بنا پر نااہلوں کو ملتا ہے۔ بلکہ صحیح معنی میں آجکل عہدے اور مناصب اہلیت کی بنا پر ملتے نہیں بلکہ دولت اور رشوت کے بل بوتے پر خریدے جاتے ہیں۔ تو یہ بھی موجودہ بے خدا تہذیب کا ایک عطیہ ہے۔ اس اعتبار سے موجودہ خدا فراموشانہ تہذیب نے پورے معاشرے کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے اور ہر طرف سے اُس کے اطراف اپنا گھیرا تنگ سے تنگ تر کرتی جا رہی ہے۔

علم کو فریب سے جھپٹ کر اُچک لینا

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَشَخَصَ بِبَصَرِهِ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ: هٰذَا أَوَانُ يُخْتَلَسُ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتّٰى لَا يَقْدِرُوْا مِنْهُ عَلٰى شَيْءٍ. فَقَالَ زِيَادُ بْنُ لَبِيْدِ الْأَنْصَارِيُّ: كَيْفَ يُخْتَلَسُ مِنَّا وَقَدْ قَرَأْنَا الْقُرْآنَ، فَوَاللهِ لَنَقْرَأَنَّهُ وَلَنُقْرِئَنَّهُ نِسَاءَنَا وَأَبْنَاءَنَا، فَقَالَ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا زِيَادُ، إِنْ كُنْتُ لَأَعُدُّكَ مِنْ فُقَهَاءِ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ، هٰذِهِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيْلُ عِنْدَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى، فَمَاذَا تُغْنِي عَنْهُمْ؟

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلعم کے ساتھ تھے تو آپ نے آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا۔ پھر فرمایا کہ اب وقت (آگیا ہے) کہ علم لوگوں سے جھپٹ کر چھین لیا جائے اور لوگ اس کی کسی چیز پر قابو نہ رکھ سکیں۔ تو اس پر زیاد بن لبید انصاری نے عرض کیا کہ علم ہم سے کس طرح چھین لیا جائے گا جب کہ ہم قرآن پڑھ چکے ہیں (اور اس کے معانی و مطالب پر عبور رکھتے ہیں)۔ پھر واللہ ہم اس کو برابر پڑھتے رہیں گے اور اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی پڑھاتے رہیں گے؟ تو آپ نے فرمایا کہ تیرا بُرا ہو اے زیاد! میں تو تجھے مدینے کے سمجھدار لوگوں میں شمار کرتا تھا۔ یہ تورات و انجیل یہود و نصاریٰ کے پاس موجود ہیں، تو یہ کتابیں اُن کو کیا نفع دے رہی ہیں؟[ش]

یہ حدیث اگرچہ سابقہ ادوار پر کسی نہ کسی حیثیت سے صادق آتی رہی ہے، مگر اس کا مصداق صحیح طور پر موجودہ دور میں ظاہر ہو رہا ہے۔ آج دنیوی علوم کا حال یہ ہے کہ ہر علم و فن میں جھوٹ اور مکر و فریب کا دور دورہ نظر آرہا ہے، جو مادہ پرستانہ نقطۂ نظر سے تحریر و تدوین کئے جا رہے ہیں۔ خاص کر سائنسی علوم و فنون، جن میں الحادی

ش جامع ترمذی کتاب العلم ۵/۳۱-۳۲ مطبوعہ بیروت۔ سنن دارمی ۱/۸۷ مطبوعہ بیروت۔

نقطۂ نظر سے حق بات کو چھپانے کا فن کافی ترقی کر گیا ہے۔ جس کے باعث ان علوم و فنون اور ان کے مسائل میں کہیں بھی "خدا" کا نام آنے نہیں دیا جاتا۔ حالانکہ خدا کا وجود تسلیم کئے بغیر مادہ، حیات اور اُن کے خواص و تاثیرات کی کوئی بھی توجیہ ممکن نہیں ہو سکتی۔ بلکہ مظاہر کائنات کا وجود مزید پُر اسرار بن کر رہ جاتا ہے۔ مگر مادہ پرست خدا کا انکار کر کے خدا کی تمام صفات کو "مادہ" کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ گویا کہ حقیقی خدا کا انکار کر کے ایک گڑھے ہوئے "خدا" پر "ایمان" لاتے ہیں۔ اس اعتبار سے الحاد و دہریت بھی ایک نئے قسم کا شرک ہے۔

بہر حال موجودہ دور کی سب سے نمایاں ترین خصوصیت "علمی فریب" یا علمی مغالطہ ہے جس کو حدیث شریف میں اس موقع پر "اختلاس" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کے معنی کسی چیز کو دھوکے سے جھپٹ کر چھین لینے کے ہیں۔ اور یہ خصوصیت موجودہ دور کے دجالی فریب (دجالیت) پر پوری طرح صادق آرہی ہے۔ گویا کہ آج دھوکے اور فریب کے ساتھ نوعِ انسانی سے اُن کا اصل علم چھینا جا رہا ہے۔

مگر واضح رہے کہ اصل سائنسی علوم میں الحاد و دہریت نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ بلکہ اس سلسلے میں الحاد و دہریت جو کچھ بھی ہے وہ محض مادہ پرستوں کے اپنے ذہنوں کی پیداوار ہے۔ وہ خدا کا انکار کرنے کی غرض سے مادہ پرستانہ نظریات پر غلط انداز میں سائنس کا لیبل چڑھا دیتے ہیں، تاکہ وہ دین و شریعت کی "سختیوں" سے خود کو بچا سکیں۔ ورنہ دین و مذہب کا جُوا اپنے گلے میں ڈال لینے کے بعد ان کی ساری "خوش معاشیاں" ختم ہو جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے دین و شریعت کی پابندیوں کو وہ اپنی آزاد خیالی کے لئے سب سے بڑا خطرہ تصور کرتے ہیں۔

گمراہ اماموں اور علمائے شر کا ظہور

ایک طرف یہ مادہ پرستانہ تحریکیں ہیں جو دین و شریعت کی بُنیادوں کو کھوکھلا کرنے میں لگی ہوئی ہیں تو دوسری طرف خود اسلام ہی کے اندر کچھ "عالم نُما" لوگ بھی موجود رہتے ہیں جو بظاہر جُبہ و دستار سے آراستہ ہو کر مُسلمانوں کو دھوکہ دینے اور اسلام کو کمزور کرنے کے عمل میں منہمک نظر آتے ہیں۔ یہ دراصل چند خود غرض اور عیار لوگ ہوتے ہیں جو محض اپنی دُکانداری چلانے یا لوگوں کا ایمان خراب کرنے کے لئے دین و مذہب کا لبادہ اوڑھ کر اس میدان میں آتے ہیں۔ اس طرح بیرونی اور اندرونی فتنوں کے باعث علم دین بڑے نازک اور صبر آزما مراحل سے دوچار ہو جاتا ہے اور علمائے حق کی ذمہ داریاں دوچند ہو جاتی ہیں۔ احادیث و روایات میں اہل ایمان کو اس قسم کے فتنوں سے پہلے ہی خبردار

کیا جاچکا ہے، تاکہ وہ مردود میں ان سے بچاؤ اور حفاظت کا سامان کر سکیں۔

عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّمَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي الْأَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میں اپنی اُمت پر صرف گمراہ اماموں سے ڈرتا ہوں۔[6]

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ نَائِمٌ، فَذَكَرْنَا الدَّجَّالَ، فَاسْتَيْقَظَ مُحْمَرًّا وَجْهُهُ، فَقَالَ غَيْرُ الدَّجَّالِ أَخْوَفُ عِنْدِيْ عَلَيْكُمْ مِنَ الدَّجَّالِ الْأَئِمَّةُ الْمُضِلِّيْنَ:

(حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلعم کے پاس بیٹھے تھے جب کہ آپ لیٹے ہوئے تھے۔ ہم نے دجّال کا تذکرہ کیا تو آپ بیدار ہوگئے اور حالت یہ تھی کہ آپ کا چہرہ سُرخ ہوگیا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک تمہارے لئے دجّال سے زیادہ خوفناک وہ لوگ ہیں جو گمراہ ائمہ ہیں۔[7]

غَيْرُ الدَّجَّالِ أَخْوَفُ عَلَى أُمَّتِيْ مِنَ الدَّجَّالِ الْأَئِمَّةُ الْمُضِلِّيْنَ: میری اُمت کے لئے دجّال کے علاوہ دجّال سے زیادہ خوفناک لوگ گمراہ پیشوا ہوں گے۔[8]

يَكُوْنُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ، يَأْتُوْنَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ، فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ، لَا يُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا يَفْتِنُوْنَكُمْ: آخر زمانے میں فریبی اور جھوٹے لوگ ہوں گے، وہ تم کو ایسی باتیں بتائیں گے جن کو نہ تو تم نے (اس سے پہلے کبھی) سُنا ہوگا اور نہ تمہارے باپ دادانے۔ تو تم ان سے پوری طرح بچ کر رہو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو گمراہ کردیں اور فتنہ میں مبتلا کردیں۔[9]

وَيْلٌ لِأُمَّتِيْ مِنْ عُلَمَاءِ السُّوْءِ: میری اُمت کو علمائے سُوء کی جانب سے خرابی ہے۔[10]

---

[6] دارمی ۷۰/۱، ترمذی کتاب الفتن ۵۰۴/۴
[7] مصنف ابن ابی شیبہ، مسند احمد، مسند ابو یعلیٰ، بحوالہ کنز العمال ۱۶۳/۱۰
[8] مسند احمد، بحوالہ کنز العمال ۱۱۳/۱۰
[9] صحیح مسلم مقدمہ ۱۲/۱، مسند احمد، بحوالہ کنز العمال ۱۱۱/۱۰
[10] حاکم، منقول از کنز العمال ۱۱۲/۱۰

إِنَّ فِيْ جَهَنَّمَ رَحًى تَطْحَنُ عُلَمَاءَ السُّوْءِ طَحْنًا: دوزخ میں ایک ایسی چکی ہے جو علمائے سُوء کو خوب پیستی رہے گی۔[11]

إِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ، وَإِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ: بدترین شر شریر علماء ہیں اور بہترین خیر نیک علماء ہیں۔[12]

شِرَارُ النَّاسِ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ فِي النَّاسِ: سب سے بُرے لوگ بُرے علماء ہیں۔[13]

حاصل یہ کہ طبقۂ علماء میں بعض دُنیادار قسم کے علماء بھی ہوسکتے ہیں جو اپنی کسی کمزوری کی بنا پر کوتاہ عملی میں مبتلا ہوں، مگر علماء کے بھیس میں ایسے بہت سے عیّار و مکّار لوگ بھی ہوسکتے ہیں جو وقتی اغراض و مقاصد کے تحت یا کسی دُنیوی تحریک کے زیرِ اثر اہلِ اسلام کو دین سے برگشتہ کرنے یا انہیں گمراہ کرنے کے سلسلے میں مصروف ہوں۔ اور اس زُمرے میں وہ گمراہ قسم کے پیر بھی آتے ہیں جو شریعت کو مُہمل و مُعطّل قرار دیتے ہوئے قرآنِ حکیم کی بے سروپا تاویل میں مشغول رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے قول و عمل کو قرآن اور سُنّت کی کسوٹی پر کس کر دیکھنے پر ان کا پول بخوبی کُھل سکے گا۔

فتنوں کا ظہور اور علماء کا قحط

واقعہ یہ ہے کہ علمائے خیر کے مقابلے میں علمائے شر کی ہر دور میں زیادتی رہی ہے اور ہر دور میں بدعتوں کو فروغ حاصل رہا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ عوام سُنّتوں سے زیادہ بدعتوں کی طرف لپکتے ہیں۔ اور کسی بدعت کے بدعت ہونے کی صراحت کے بعد بھی اُسے ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ بلکہ اُسے اپنے باپ دادا کی "سُنّت" تصور کرتے ہوئے اس کا ترک کرنا اُن پر نہایت درجہ شاق گُزرتا ہے۔ جیسا کہ کُفّار و مُشرکین کو اپنے باپ دادا کا طریقہ (بُت پرستی) ترک کرنا شاق گُزرتا ہے، خواہ عقلی اعتبار سے اُس کی عدم معقولیت اُن پر کتنی ہی واضح کیوں نہ ہوجائے۔ باپ دادا کے طریقوں پر اندھوں اور بہروں کی طرح آنکھیں بند کرکے چلنے کی یہ منطق انتہائی نرالی اور غیر معقول ہے۔

قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا لَبَسَتْكُمْ فِتْنَةٌ يَهْرَمُ فِيْهَا الْكَبِيْرُ وَيَرْبُوْا فِيْهَا الصَّغِيْرُ

---

[11] ابن عدی و ابن عساکر، کنز العمال ۱۱۹/۱۰
[12] دارمی ۱۰۴/۱
[13] بزاز، کنز العمال ۱۱۰/۱۰

وَيَتَّخِذُهَا النَّاسُ سُنَّةً ، فَإِذَا غُيِّرَتْ قَالُوا غُيِّرَتِ السُّنَّةُ ، قَالُوا وَمَتَىٰ ذٰلِكَ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ؟ قَالَ إِذَا كَثُرَتْ قُرَّاؤُكُمْ وَقَلَّتْ فُقَهَاؤُكُمْ ، وَكَثُرَتْ أُمَرَاؤُكُمْ وَقَلَّتْ أُمَنَاؤُكُمْ ، وَالْتُمِسَتِ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْآخِرَةِ :

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے لوگوں سے مخاطب ہوکر فرمایا: اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم پر ایسا فتنہ چھا جائے گا جس میں بڑے بڈھے ہوجائیں گے اور چھوٹے جوان۔ تب اگر (کوئی جواں مرد اس) فتنے کو بدل دے تو لوگ کہیں گے کہ (ہماری) سُنت بدل دی گئی۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ یہ بات کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا کہ جب تمہارے قاری (وعظ گو یا سطحی علم رکھنے والے) زیادہ ہوجائیں اور فقہاء (دین کی صحیح سمجھ رکھنے والے) کم ہوجائیں۔ اور اُس وقت جب کہ تمہارے اُمرا کی کثرت ہوجائے اور امانت دار لوگوں کی قلت ہوجائے۔ اور اُس وقت جب کہ دُنیا کی جستجو آخرت کے عمل سے کی جانے لگے [۱۴]

واقعہ یہ ہے کہ ہماری دینی و معاشرتی زندگی میں کتنی ہی ایسی بدعتیں موجود ہیں جنہوں نے سُنتوں سے بھی زیادہ بڑا درجہ حاصل کرلیا ہے اور لوگ ان کے ترک کرنے پر اکثر و بیشتر مرنے اور مارنے پر بھی آمادہ ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح کتنے ہی ایسے رسوم و خُرافات ہیں جو غیر قوموں سے میل وملاپ کے باعث ہماری معاشرتی زندگی میں دبے پاؤں گھس آئے ہیں۔

قرآن کی غلط تاویل کرنے والے

شرعی اعتبار سے کسی بھی مسئلے میں اہلِ اسلام کے لئے قرآن مجید اولین ماخذِ علم کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی دلیل واستدلال کی راہ میں اسے بنیادی مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ اس لئے مُسلمان کسی ایسی بات کی طرف توجہ نہیں کرسکتے جو قرآن سے ماخوذ نہ ہو۔ اس حقیقت کو مُسلمانوں کے دوست اور دشمن سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ لہٰذا گمراہ ائمہ اور باطل پسند لوگ اہلِ اسلام کو برگشتہ کرنے یا ان کی رائے پر اثر انداز ہونے کی غرض سے مُسلمانوں کی اس نفسیات کے پیشِ نظر ایک باطل چیز یا غیر اسلامی نظریہ کو بھی قرآنی تاویلات کا سہارا لے کر اس طرح پیش کرتے ہیں گویا کہ یہ بات قرآن سے مُستنبط و ماخوذ ہے۔ تاکہ سادہ لوح مُسلمان آسانی کے ساتھ باطل کا شکار ہوکر دین سے

[۱۴] دارمی ۱/۶۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

برگشتہ ہوسکیں۔

چنانچہ لادینی تحریکیں اپنے اغراض و مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے مُسلمانوں کے "عالم نما" لوگوں کو خرید لیتی ہیں، جو چند سکّوں کی خاطر ان تحریکوں کے آلۂ کار بن کر قرآنی آیات میں غلط تاویل کرتے ہوئے انہیں باطل اغراض و مقاصد کے مُطابق ثابت کرنے کے سلسلے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ (چنانچہ اس کا ایک مظاہرہ ابھی حال ہی میں شاہ بانو کیس کے سلسلے میں بخوبی ظاہر ہوچکا ہے)۔ اور ایسے ہی "عالم نُما" جاہلوں یا ابن الوقتوں کو مذکورہ بالا احادیث میں "گمراہ ائمہ" اور "علمائے سُوء" وغیرہ کہا گیا ہے، جو اُمّت کے لئے دجال سے زیادہ فتنہ گر ہوں گے۔ کیونکہ یہ لوگ اسلام پر بیرونی محاذ سے حملہ آور ہونے کے بجائے مارِ آستین کی طرح اندرونی طور پر دین کو کھوکھلا کرنے اور اس کی جڑوں کو کمزور کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اور یہ لوگ اسلام کے لئے بیرونی دشمنوں سے زیادہ سخت ہوتے ہیں۔

عَنْ زِيَادِ بْنِ حُدَيْرٍ قَالَ : قَالَ لِي عُمَرُ هَلْ تَعْرِفُ مَا يَهْدِمُ الْإِسْلَامَ ؟ قَالَ قُلْتُ لَا . قَالَ يَهْدِمُهُ زَلَّةُ الْعَالِمِ ، وَجِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْكِتَابِ وَحُكْمُ الْأَئِمَّةِ الْمُضِلِّينَ :

زیاد بن حدیر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اسلام کو کیا چیز ڈھا دیتی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اُسے عالم کی لغزش، مُنافق کا قرآن کے ساتھ جھگڑنا اور گمراہ اماموں کے فیصلے ڈھا دیتے ہیں [۱۵]

اسی طرح حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا:

أَكْثَرُ مَا أَتَخَوَّفُ عَلَىٰ أُمَّتِي مِنْ بَعْدِي رَجُلٌ يَتَأَوَّلُ الْقُرْآنَ يَضَعُهُ عَلَىٰ غَيْرِ مَوَاضِعِهِ ، وَرَجُلٌ يَرَىٰ أَنَّهُ أَحَقُّ بِهٰذَا الْأَمْرِ مِنْ غَيْرِهِ : میری اُمّت کے بارے میں سب سے زیادہ ڈر اُس شخص پر ہے جو قرآن کی تاویل اس طرح کرتا ہے کہ اُسے اُس کے صحیح مقامات سے ہٹا دیتا ہے۔ اور وہ شخص جو اس معاملے کا حقدار دوسروں سے زیادہ اپنے آپ کو سمجھتا ہے [۱۶]

اس موقع پر "بھذا الامر" سے مراد زیربحث مسئلہ بھی ہوسکتا ہے اور حکومت کا کوئی اعلیٰ منصب وغیرہ بھی۔

[۱۵] دارمی ۱/۷۱

[۱۶] طبرانی - اوسط، کنز العمال ۱۰/۱۰۷

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : خَطَبَنَا عُمَرُ فَقَالَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمْ تَغَيُّرُ الزَّمَانِ، وَزَيْغَةُ عَالِمٍ، وَجِدَالُ مُنَافِقٍ بِالْقُرْآنِ، وَاَئِمَّةٌ مُضِلُّوْنَ يُضِلُّوْنَ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ : حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ہمارے لئے خطبہ دیا اور فرمایا کہ مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خوف زمانے کے تغیر، عالم کی لغزش، منافق کے قرآن میں جھگڑنے اور گمراہ کن ائمہ سے ہے جو بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کریں گے[17]

عَنْ عُمَرَ قَالَ : مَا اَخَافُ عَلٰى هٰذِهِ الْاُمَّةِ مِنْ مُؤْمِنٍ يَنْهَاهُ اِيْمَانُهُ، وَلَا مِنْ فَاسِقٍ بَيِّنٍ فِسْقُهُ، وَلٰكِنْ اَخَافُ عَلَيْهَا رَجُلًا قَدْ قَرَأَ الْقُرْآنَ حَتّٰى اَذْلَقَهُ بِلِسَانِهِ ثُمَّ تَاَوَّلَهُ عَلٰى غَيْرِ تَاْوِيْلِهِ :

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اس اُمت پر کسی مومن سے کوئی خوف نہیں ہے جس کو اُس کا ایمان (کسی بھی بُرے کام سے) روکتا ہے۔ اور کسی فاسق (بدعمل) سے بھی کوئی خوف نہیں ہے جس کا فسق ظاہر ہو چکا ہو۔ لیکن مجھے ڈر ہے تو اُس شخص پر جس نے قرآن پڑھ لیا اور اُسے فصاحت کے ساتھ اپنی زبان پر جاری کر لیا (یعنی وہ بڑی روانی کے ساتھ قرآن کے معانی و مطالب بیان کرنے لگ گیا) مگر پھر اُس کی ایسی تاویل کرنے بیٹھ گیا جو اُس کے مُطابق نہ ہو[18]

غلط قیاس سے کام لینے والے

یہ اور اس قسم کی دیگر روایات خاص کر تجدد پسند لوگوں پر صادق آتی ہیں، جو قرآن اور حدیث کے واضح نصوص کے مقابلے میں محض اپنی رایوں سے قرآن کے غلط سلط معانی نکال کر لوگوں کو بہکاتے اور انہیں فکری لغزشوں میں مبتلا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں ان کا اصل حربہ غلط قیاس ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض روایات میں غلط قیاس (قیاسِ فاسد) کی مذمت کی گئی ہے۔

عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ اَوَّلُ مَا قَاسَ اِبْلِيْسُ، وَمَا عُبِدَتِ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ اِلَّا

---

[17] ابوخیثمہ، کنز العمال ۱۰/۱۶۱

[18] ابن عبد البر، منقول از کنز العمال ۱۰/۱۶۲

بِالْمَقَايِيْسِ : ابن سیرین کہتے ہیں کہ سب سے پہلے قیاس کرنے والا ابلیس تھا۔ اور آفتاب و ماہتاب کی پرستش بھی قیاس ہی کی رُو سے کی گئی ہے[19]

عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ : وَاللّٰهِ لَئِنْ اَخَذْتُمْ بِالْمَقَايِيْسِ لَتُحَرِّمُنَّ الْحَلَالَ وَلَتُحِلُّنَّ الْحَرَامَ : امام شعبی کہتے ہیں کہ واللہ اگر تم قیاس (فاسد) کو اختیار کر لوگے تو پھر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر بیٹھوگے[20]

واضح رہے کہ دین میں قیاسِ صحیح کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور نئے نئے مسائل میں اجتہاد کا دار و مدار قیاسِ صحیح ہی پر موقوف ہے۔ مگر شریعت میں اس کے اُصول و ضوابط مقرر ہیں، جن کو ملحوظ رکھنا اجتہاد کے لئے ضروری ہے۔ مگر گمراہ لوگ حق اور باطل کو گڈمڈ کرنے کی غرض سے "قیاس" کے نام پر قیاسِ فاسد سے کام لیتے ہیں، جو دین میں مذموم ہے۔

علم کی پھلجڑیاں برسانے والے

بعض علماء زبان کے بڑے تیز و طرار اور ظاہری اعتبار سے بڑے ہی عالم و فاضل نظر آتے ہیں جو بات بات پر علم و حکمت کی پھلجڑیاں برساتے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر واقعہ کے اعتبار سے اُن کا علم حلق سے نیچے نہیں اُترتا اور اُن کا دل سیاہ و تاریک ہوتا ہے، یعنی وہ عملی اعتبار سے درجۂ صفر پر ہوتے ہیں۔ زبان سے جو کچھ کہتے ہیں اُس پر خود اُن کو دل سے یقین نہیں ہوتا۔ گویا کہ علم کی حقیقت اُن کے دلوں کے اندر اُترتی نہیں ہے۔ روایات میں ایسے "علماء" کو صاف طور پر منافق کہا گیا ہے جو ذہنی و عملی اعتبار سے گویا کہ جاہلِ محض ہوتے ہیں۔ اور ایسے لوگ محض دنیوی منافع کے حصول کے لئے اس میدان میں آجاتے ہیں۔ گویا کہ اپنی دکان چلانے کے لئے علم کو آڑ بنا لیتے ہیں، جو دُنیا بٹورنے کا ایک اچھا ذریعہ ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِيْ كُلُّ مُنَافِقٍ عَلِيْمُ اللِّسَانِ : حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کے لئے خوفناک ترین شخص ہر وہ منافق ہے جو صرف زبان کا عالم ہو[21]

---

[19] و [20] دارمی ۱/۶۵

[21] مسند احمد ۱/۲۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

إِنَّمَا يُهْلِكُ هٰذِهِ الْأُمَّةَ كُلُّ مُنَافِقٍ عَلِيْمُ اللِّسَانِ : حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس اُمت کو ہر وہ منافق تباہ کرے گا جو (محض) زبان کا عالم ہو۔[22]

إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَى هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْمُنَافِقُ الْعَلِيْمُ. قَالُوْا وَكَيْفَ يَكُوْنُ مُنَافِقٌ عَلِيْمٌ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ؟ قَالَ عَالِمُ اللِّسَانِ جَاهِلُ الْقَلْبِ وَالْعَمَلِ : ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس اُمت کے لئے سب سے زیادہ خوفناک شخص منافق عالم ہوگا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے امیر المومنینؓ ایک منافق شخص عالم کیسے ہوسکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ صرف زبان کا عالم ہوگا مگر دل اور عمل کا جاہل ہوگا۔[23]

نیز ایک اور روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے اس کی تشریح اس طرح فرمائی :

يَتَكَلَّمُ بِالْحَقِّ وَيَعْمَلُ بِالْمُنْكَرِ : وہ بات تو صحیح کرتا ہے مگر کام غلط کرتا ہے۔[24]

اس اعتبار سے کثرتِ کلام یا چکنی چپڑی باتیں کرنا کثرتِ علم و معرفت کی دلیل نہیں۔ جس طرح کہ قلتِ کلام یا کم گوئی قلتِ علم و معرفت کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ بہت سے علماء ایسے بھی ہوتے ہیں جو بہت بڑے عالم ہونے کے باوجود کم گو اور خاموش طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔

لَيْسَ الْبَيَانُ كَثْرَةَ الْكَلَامِ، وَلٰكِنْ فَضْلٌ فِيْمَا يُحِبُّ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ. وَلَيْسَ الْعِيُّ عِيُّ اللِّسَانِ، وَلٰكِنْ قِلَّةُ الْمَعْرِفَةِ بِالْحَقِّ : حُسنِ بیان کثرتِ کلام کا نام نہیں ہے۔ لیکن وہ ایک فضیلت والی بات ہے جو اللہ اور اُس کے رسول کی پسندیدہ باتوں میں ہو۔ اور زبان کے عجز کو عجز نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ عجز در اصل حق باتوں کی قلتِ معرفت کا نام ہے۔[25]

بعض حدیثوں کے مطابق کسی منافق میں دین کی سمجھ کے ساتھ ساتھ حُسنِ اخلاق جمع نہیں ہوسکتے۔ تو اس سے مُراد غالباً اسی طبقے کے لوگ ہوسکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ایک "مُنافق عالم" میں "حُسنِ اخلاق" نام کی کوئی

---

[22] کنز العمال ۱۰/۱۶۰

[23] ایضاً ۱۰/۱۶۲

[24] بیہقی و ابن نجار، منقول از کنز العمال ۱۰/۱۶۰

[25] مسند فردوس، کنز العمال ۱۰/۱۱۰

چیز نہیں ہوسکتی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِيْ مُنَافِقٍ : حُسْنُ سَمْتٍ وَلَا فِقْهٌ فِي الدِّيْنِ : رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کسی منافق میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوسکتیں۔ یعنی اچھا چلن اور دین کی سمجھ بوجھ۔[26]

منطقی لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس شخص میں یہ دونوں خصلتیں جمع ہوں وہی صحیح اور پورا عالم ہے۔ یہ گویا کہ علماء کو جانچنے اور پرکھنے کی ایک کسوٹی اور معیار ہے۔ اس اعتبار سے علم کی دو قسمیں کی گئی ہیں : ایک دل کا علم اور دوسرے محض زبان کا علم جو نفع نہیں دیتا۔

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ : الْعِلْمُ عِلْمَانِ، فَعِلْمٌ فِي الْقَلْبِ، فَذٰلِكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ، وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ، فَذٰلِكَ حُجَّةُ اللّٰهِ عَلَى ابْنِ آدَمَ : حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں : ایک قلبی علم ہے جو نفع بخش علم ہے۔ اور دوسرا زبان کا علم ہے جو اللہ کی طرف سے ابنِ آدم پر حجت ہے۔[27]

إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يُبْغِضُ كُلَّ عَالِمٍ بِالدُّنْيَا جَاهِلٍ بِالْآخِرَةِ : اللہ تعالیٰ ہر اُس شخص کو سخت ناپسند کرتا ہے جو دُنیا سے واقف اور آخرت سے جاہل ہو۔[28]

بے عمل علماء کی مثال

إِذَا عَلَّمَ الْعَالِمُ فَلَمْ يَعْمَلْ، كَانَ كَالْمِصْبَاحِ يُضِيْءُ لِلنَّاسِ وَيُحْرِقُ نَفْسَهُ : ایک عالم جب (دوسروں کو) تعلیم دیتا ہے اور خود عمل نہیں کرتا تو وہ اس چراغ کی مانند ہے جو لوگوں کو تو روشنی پہنچاتا ہے مگر خود کو جلا لیتا ہے۔[29]

وَيْلٌ لِمَنْ لَا يَعْلَمُ، وَوَيْلٌ لِمَنْ عَلِمَ ثُمَّ لَا يَعْمَلُ : خرابی ہے اُس شخص کے لئے جو علم

---

[26] ترمذی کتاب العلم ۵/۵۰

[27] دارمی ۱/۱۰۲

[28] حاکم، کنز العمال ۱۰/۱۰۷

[29] ایضاً

نہیں رکھتا۔ اور اُس شخص کی بھی مثال ہے جو علم رکھنے کے باوجود عمل نہیں کرتا ہے[30]

بے عمل علماء کا انجام

إِنَّ أُنَاسًا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَطَّلِعُونَ إِلَى أُنَاسٍ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَيَقُولُونَ بِمَ دَخَلْتُمُ النَّارَ؟ فَوَاللّٰهِ مَا دَخَلْنَا الْجَنَّةَ إِلَّا بِمَا تَعَلَّمْنَا مِنْكُمْ. فَيَقُولُونَ إِنَّا كُنَّا نَقُولُ وَلَا نَفْعَلُ: جنت کے چند لوگ دوزخ کے چند لوگوں کی طرف جھانک کر پوچھیں گے اور کہیں گے کہ تم کس وجہ سے دوزخ میں داخل ہوگئے؟ حالانکہ ہم جنت میں داخلے کا سبب تمہارے ہی ذریعہ حاصل کردہ تعلیم تھی۔ تو وہ لوگ کہیں گے کہ ہم صرف (زبان سے) کہتے تھے مگر عمل نہیں کرتے تھے[31]

اَلْعَالِمُ وَالْعِلْمُ وَالْعَمَلُ فِي الْجَنَّةِ، فَإِذَا لَمْ يَعْمَلِ الْعَالِمُ بِمَا يَعْلَمُ كَانَ الْعِلْمُ وَالْعَمَلُ فِي الْجَنَّةِ وَالْعَالِمُ فِي النَّارِ: عالم، علم اور عمل تینوں جنت میں ہوں گے۔ مگر عالم جب اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا تو اس صورت میں علم اور عمل تو جنت میں ہوں گے لیکن عالم دوزخ میں ہوگا[32]

علماء خائن کب بن جاتے ہیں؟

اَلْعُلَمَاءُ أُمَنَاءُ الرُّسُلِ، مَا لَمْ يُخَالِطُوا السُّلْطَانَ وَيُدَاخِلُوا الدُّنْيَا، فَإِذَا خَالَطُوا السُّلْطَانَ وَدَاخَلُوا الدُّنْيَا فَقَدْ خَانُوا الرُّسُلَ فَاحْذَرُوهُمْ: علماء رسولوں کے امین ہیں جب تک کہ وہ حاکموں سے میل جول پیدا کرکے دُنیاداری اختیار نہ کرلیں۔ جب وہ حکام کے ساتھ ملاپ کرکے دُنیاداری اختیار کرلیں تو انہوں نے رسولوں سے خیانت کی۔ تم ایسوں سے دُور رہو[33]

اَلْفُقَهَاءُ أُمَنَاءُ الرُّسُلِ مَا لَمْ يَدْخُلُوا فِي الدُّنْيَا وَيَتَّبِعُوا السُّلْطَانَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ فَاحْذَرُوهُمْ: علماء رسولوں کے امین ہیں جب تک کہ وہ دُنیاداری میں داخل ہوکر حکام وقت کی

---

[30] حاکم، کنز العمال ۱۰/۱۰۴
[31] طبرانی، منقول از کنز العمال ۱۰/۱۲۰
[32] ابونعیم، کنز العمال ۱۰/۱۲۱
[33] عقیلی، کنز العمال ۱۰/۱۰۵

پیروی کرنے لگ جائیں۔ جب وہ ایسا کرنے لگیں تو ان سے بچ کر رہو[33]

إِنَّ أَبْغَضَ الْخَلْقِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى الْعَالِمُ يَزُورُ الْعُمَّالَ: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ نفرت انگیز شخص وہ عالم ہے جو عمّال (حکومت) کے پاس آنا جانا رکھتا ہو[34]

إِذَا قَرَأَ الرَّجُلُ وَتَفَقَّهَ فِي الدِّينِ ثُمَّ أَتَى بَابَ السُّلْطَانِ تَمَلُّقًا إِلَيْهِ وَطَمَعًا لِمَا فِي يَدَيْهِ، خَاضَ بِقَدْرِ خُطَاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ: جب کوئی شخص علم حاصل کرکے دین میں سمجھ پیدا کرتا ہے اور پھر حاکم وقت کی چاپلوسی کرتے ہوئے یا اُس کے مال کی طمع کرتے ہوئے اُس کے پاس جاتا ہے تو وہ اپنی خطاکاری کی بقدر جہنم میں داخل ہوگا[35]

علماء کا اصل منصب یہ ہے کہ وہ پوری حق گوئی اور بے باکی کے ساتھ اپنے علمی فرائض بخوبی انجام دیتے رہیں، تاکہ عوام راہِ راست اور جادۂ اعتدال پر قائم رہیں۔ مگر حکام وقت کے ساتھ ان کا اُٹھنا بیٹھنا اور میل جول ہوگا تو ان میں بھی دُنیاداری آجائے گی، عہدوں اور منصبوں کا لالچ پیدا ہوجائے گا۔ نتیجہ یہ کہ اُن میں حکام وقت کے ساتھ چاپلوسی اور مداہنت کا مرض پیدا ہوجائے گا اور وہ اپنے فرائضِ منصبی سے غافل ہوجائیں گے۔ لہٰذا علم کے مقام و مرتبہ کو بلند رکھنے کے لئے منصبِ علم کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ اُمّت کے صلاح و فساد کا دار و مدار بہت کچھ عُلماء کے صلاح و فساد پر موقوف ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں اس کی تصریح کی گئی ہے:

صِنْفَانِ مِنَ النَّاسِ إِذَا صَلَحَا صَلَحَ النَّاسُ، وَإِذَا فَسَدَا فَسَدَ النَّاسُ، الْعُلَمَاءُ وَالْأُمَرَاءُ: دو قسم کے لوگ ہیں جب وہ دُرست ہوجائیں تو تمام لوگ دُرست ہوجائیں گے۔ اور جب وہ بگڑ جائیں گے تو سب کے سب بگڑ جائیں گے۔ وہ ہیں عُلماء اور اُمراء[36]

تحصیلِ علم سے پہلے معلّم کو دیکھو

إِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِينٌ، فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ: یہ علم دین ہے، تو دیکھو

---

[34] عسکری، کنز ۱۰/۱۰۵
[35] ابن لال، کنز ۱۰/۱۰۸
[36] ابوالشیخ، کنز ۱۰/۱۱۲
[37] حلیۃ الاولیاء، کنز ۱۰/۱۱۰

کہ تم اس کو کس سے حاصل کر رہے ہو۔[38]

مطلب یہ کہ دین کا دارومدار چونکہ علم پر ہے اس لئے علم کو صحیح طریقے سے حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے معلّم کی دینی و اخلاقی حالت کو دیکھنا بہت ضروری ہے، کیونکہ علم اگر غلط ہو جائے تو دین بھی غلط ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین جب کسی کے پاس علم حاصل کرنے کے لئے جاتے تھے تو پہلے اُس کی سیرت و اخلاق کا حال معلوم کر لیا کرتے تھے[39] پھر اُس کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا کرتے تھے۔

الغرض یہ ایک صحیح اصول ہے کہ علم دین ایسے شخص سے حاصل کیا جائے جس کی دینداری پر بھروسہ ہو اور وہ مشکوک و متہم نہ ہو۔ کیونکہ غیر دیندار قسم کے کسی شخص سے دینی علم حاصل کرنے میں خطرہ ہو سکتا ہے۔ مگر موجودہ دور میں یہ زرّیں اسلامی اُصول نظر انداز کر دیا گیا ہے اور آج علم دین ہر ایرے غیرے سے حتیٰ کہ مستشرقین اور بے دین لوگوں تک سے بھی حاصل کرنے میں کوئی عار یا عیب کی بات نہیں سمجھی جا رہی ہے، جن کا محبوب ترین مشغلہ اسلام کے خلاف اعتراضات کرنا اور شکوک و شبہات پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ (جو عموماً لمبی لمبی ڈگریوں سے آراستہ ہوتے ہیں) اسلامی علوم کے ٹھیکیدار بن کر اور مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں میں "اسلامیات" کی کُرسی پر براجمان ہو کر اسلام کے خلاف زہر اُگلتے اور طلبہ میں اسلام کے خلاف شکوک و شبہات کے بیج بوتے رہتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر دین کے نام پر لادینیت کے جراثیم ذہنوں میں پیدا کر دیتے ہیں۔ اور یہ کام آج منظم طور پر ہو رہا ہے۔ اسی طرح بہت سے بدعمل اور فاسق قسم کے لوگ بھی آج اسلام کے ٹھیکیدار بن کر درسگاہوں پر قابض ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اسلام کا صحیح علم حاصل کرنے کے لئے صحیح عالم کی تلاش بھی بہت ضروری ہے۔

اور حسبِ ذیل حدیث میں غالباً بطور پیش گوئی انہی "ولایت پار" مستشرقین کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے:

لَا تَنْقَضِي الدُّنْيَا حَتّٰى تَخْرُجَ شَيَاطِيْنُ مِنَ الْبَحْرِ، يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ الْقُرْآنَ: دُنیا اُس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک کہ سمندر (پار) سے شیاطین نکل کر نہ آئیں جو لوگوں کو

[38] صحیح مسلم مقدمہ ۱/۱۴، دارمی ۱/۱۱۳

[39] دارمی میں اس معنی کی کئی روایات موجود ہیں: ۱/۱۱۲ - ۱۱۳

قرآن سکھانے والے ہوں گے۔

یہ بڑی عبرت اور ذلت کا مقام ہے کہ آج مسلمانوں کو خود اپنی الہامی و آسمانی کتاب کے سمجھنے کے لئے مغربی اُستادوں کی "ضرورت" پیش آ رہی ہے۔ اس سے بڑھ کر عجیب و غریب چیز اور کیا ہو سکتی ہے!

جب کوئی فیصلہ کرنے والا نہ ہوگا

دورِ قدیم میں کتابیں کم تھیں اور علم زیادہ تر سینوں میں محفوظ ہوتا تھا۔ مگر موجودہ دور میں علم سینوں سے کتابوں میں منتقل ہو چکا ہے اور سینے خالی ہو گئے ہیں۔ یعنی آجکل کتابی علم کی بہت کثرت ہو گئی ہے۔ مگر اس کے باوجود علم آج حقیقتاً اجنبی سا دکھائی دے رہا ہے۔ کیونکہ وہ صرف کتابوں میں محفوظ ہے۔ اس کو پڑھنے اور سمجھنے والا کوئی نہیں ہے۔ بلکہ موجودہ "مصروف" انسان کے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہے کہ وہ انہیں پڑھے اور علم کی باریکیوں پر غور کرے۔ نتیجہ یہ کہ کتابی علم کی بھرمار ہونے کے باوجود مسائلِ زندگی کے حل کے سلسلے میں موجودہ انسان حیران و سرگرداں ہے۔ ایک انسان کچھ سوچتا ہے اور دوسرا انسان کچھ اور سوچتا ہے اور ایک ہی مسئلے میں دونوں ایک دوسرے سے اختلاف کر بیٹھتے ہیں مگر ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرنے اور صحیح رائے کا اظہار کرنے والے بھی نہیں ملتے۔ علماء کا حال یہ ہے کہ وہ موجودہ دور اور اس کے مسائل سے بالکل ہی کٹے ہوئے ہیں، لہٰذا وہ جدید مسائل میں اظہارِ خیال کرنے سے اکثر و بیشتر قاصر نظر آتے ہیں۔ کیونکہ ان کا دائرۂ کار قدیم فقہی مسائل ہیں۔ یہ وہ پیچیدہ اور پریشان کُن صورتِ حال ہے جس میں موجودہ دور خاص طور سے مبتلا ہے۔ چنانچہ ایک مرفوع حدیث میں غالباً اسی قسم کی صورتِ حال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ، تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ، تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ. فَإِنِّيْ امْرُؤٌ مَقْبُوْضٌ، وَالْعِلْمُ سَيُقْبَضُ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ، حَتّٰى يَخْتَلِفَ اثْنَانِ فِيْ فَرِيْضَةٍ لَا يَجِدَانِ أَحَدًا يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا:

حضرت ابنِ مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تم علم سیکھو اور اُسے لوگوں کو سکھاؤ۔

ابونعیم، کنز العمال ۱۰/۱۲۳

میراث کا علم سیکھو اور اُسے لوگوں کو سکھاؤ۔ قرآن سیکھو اور اسے لوگوں کو سکھاؤ۔ میں تو رخصت ہونے والا ہوں علم اُٹھا لیا جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے۔ اور حالت یہ ہو جائے گی کہ دو افراد کسی فریضے کے بارے میں اختلاف کر بیٹھیں گے اور ان کے درمیان فیصلہ کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔[۴۱]

علم کا حق ادا کرنا ضروری

ایک مرفوع حدیث کے مطابق آخر زمانے میں علم کی کثرت ہو جائے گی، تاکہ حجتِ خداوندی پوری ہو جائے اور اللہ تعالیٰ پر کوئی الزام عائد نہ ہو سکے۔

عَنْ اَبِی الزَّاهِرِيَّةِ يَرْفَعُ الْحَدِيْثَ : اِنَّ اللّٰهَ قَالَ اَبُثُّ الْعِلْمَ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ، حَتّٰى يَعْلَمَهُ الرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ وَالْعَبْدُ وَالْحُرُّ وَالصَّغِيْرُ وَالْكَبِيْرُ، فَاِذَا فَعَلْتُ ذٰلِكَ بِهِمْ اَخَذْتُهُمْ بِحَقِّيْ عَلَيْهِمْ : ابوزاہریہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں : اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں آخر زمانے میں علم کو پھیلاؤں گا یہاں تک اُسے مرد اور عورت، آزاد اور غلام، چھوٹا اور بڑا سب اچھی طرح جان لیں۔ جب میں ایسا کر چکوں تو اُن کو اپنے حق کے ساتھ پکڑوں گا۔[۴۲]

اس حدیث میں علم کی بکثرت نشر و اشاعت کی پیش گوئی کی گئی ہے، جو موجودہ دور میں بخوبی طور پر پُوری ہو چکی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ موجودہ دور پریسوں اور کتابوں کا دور ہے۔ چنانچہ آج ہر علم و فن کی کتابیں بکثرت شائع ہو رہی ہیں اور دینی و شرعی کتابوں کی نشر و اشاعت بھی خُوب ہو رہی ہے۔ اب حال یہ ہے کہ کوئی بھی شخص تھوڑی سی رقم خرچ کر کے گھر بیٹھے علم دین حاصل کر سکتا ہے۔ اس اعتبار سے اب کسی شخص کے لئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا، غریب ہو یا مالدار، لاعلمی کا کوئی عُذر باقی نہیں رہ گیا ہے۔ لہٰذا خُدائی پکڑ سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر شخص تحصیلِ علم کی طرف لپکے اور اس کی طرف تھوڑی سی توجہ مبذول کر کے اپنی عاقبت سنوارنے کی کوشش کرے۔ اگر مسلمان علم اور عمل سے اسی طرح غافل رہے تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں پر مُہر لگا دے (العیاذ باللہ)، جس کی پیش خبری ایک روایت میں اس طرح کی گئی ہے :

---

[۴۱] سنن دارمی ۱/۷۳
[۴۲] ایضاً ۱/۸۰

يُوْشِكُ اَنْ يَظْهَرَ الْعِلْمُ وَيَخْزَنَ الْعَمَلُ، وَيَتَوَاصَلَ النَّاسُ بِاَلْسِنَتِهِمْ، وَيَتَبَاعَدُوْنَ بِقُلُوْبِهِمْ، فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ :

قریب ہے کہ علم ظاہر ہو اور عمل منجمد ہو جائے (اس طرح کہ) علم صرف لوگوں کی زبانوں پر (بغیر عمل کے) گھومتا رہے۔ (اس کے نتیجے میں) لوگوں کے دل ایک دوسرے سے دُور ہو جائیں گے (بجائے قریب ہونے کے) جب وہ اس کے مرتکب ہو جائیں تو پھر (فطری طور پر) اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں، اُن کے کانوں اور اُن کی آنکھوں پر مُہر لگا دے گا۔[۴۳]

مُسلمانوں کو اپنے اس ہولناک انجام سے ہرگز غافل نہ ہونا چاہیے۔

علم میں خیانت جائز نہیں

تَنَاصَحُوْا فِي الْعِلْمِ، فَاِنَّ خِيَانَةَ اَحَدِكُمْ فِيْ عِلْمِهٖ اَشَدُّ مِنْ خِيَانَتِهٖ فِيْ مَالِهٖ، وَاِنَّ اللّٰهَ سَائِلُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ : علم میں ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کا رویہ اختیار کرو۔ کیونکہ تم میں سے کسی کی علمی خیانت مال میں خیانت سے زیادہ شدید ہے۔ اور اللہ اس بارے میں تم سے قیامت کے دن سوال کرے گا۔[۴۴]

دین کے لئے تین آفتیں

آفَةُ الدِّيْنِ ثَلٰثَةٌ : فَقِيْهٌ فَاجِرٌ، وَاِمَامٌ جَائِرٌ، وَمُجْتَهِدٌ جَاهِلٌ : دین کی آفت تین چیزیں ہیں : حق سے انحراف کرنے والا عالم، رعایا پر زیادتی کرنے والا حاکم، اور اجتہاد کرنے والا جاہل۔[۴۵]

عالم کی نیند اور جاہل کا اجتہاد

---

[۴۳] دیلمی، کنز العمال ۱۰/۱۲۱
[۴۴] طبرانی، کنز العمال ۱۰/۱۴۳
[۴۵] مسند فردوس، کنز العمال ۱۰/۱۰۵

بَعْضٍ كَتَغَايُرِ التُّيُوسِ بَعْضُهَا عَلٰى بَعْضٍ : لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا جب علماء ایک دوسرے پر حسد کرنے لگیں گے ۔ اور ایک دوسرے پر اس طرح غیرت کریں گے جس طرح بکرے آپس میں غیرت کرتے ہیں۔[51]

طبقۂ علماء میں جب دینداری اور تقویٰ باقی نہ رہے اور اُن میں دُنیاداری آجائے تو پھر یہ ایک لازمی نتیجہ ہوگا۔ العیاذ باللہ۔

جھوٹے اور ریاکار واعظوں کی کثرت

لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ كَثِيرٌ أُمَرَاؤُهُ قَلِيلٌ فُقَهَاؤُهُ، كَذَّابٌ خُطَبَاؤُهُ مُرَاؤُونَ قُرَّاؤُهُ، يَتَفَقَّهُونَ فِي غَيْرِ الدِّينِ، يَأْكُلُونَ الدُّنْيَا كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ، أَلَا وَإِنَّ النَّارَ مَثْوًى لَهُمْ، وَبِئْسَ لِلظَّالِمِينَ مَنْزِلًا :

لوگوں پر ایک ایسا دور ضرور آئے گا جس میں اُمراء زیادہ ہوجائیں گے اور دین کی سمجھ رکھنے والے (علماء) کم ہوں گے۔ اس دور کے خطیب جھوٹے اور قاری اپنے آپ کو نیک گردانے والے ہوں گے (جب کہ حقیقتِ حال اس کے برعکس ہوگی) وہ لوگ (خطیب اور قاری) دنیا کو اس طرح کھایا کریں گے جس طرح آگ لکڑی کو کھالیتی ہے۔ ہاں توسُن لو ان کا ٹھکانا جہنّم ہے جو ظالموں کے لئے بُری جگہ ہے۔[52] —

جب عُلماء علم کو تجارت بنالیں گے

وَيْلٌ لِأُمَّتِي مِنْ عُلَمَاءِ السُّوءِ، يَتَّخِذُونَ هٰذَا الْعِلْمَ تِجَارَةً، يَبِيعُونَهَا مِنْ أُمَرَاءِ زَمَانِهِمْ رِبْحًا لِأَنْفُسِهِمْ، لَا أَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَهُمْ : رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میری اُمّت کے علمائے سُوء کے لئے خرابی ہے جو اس علم (دین) کو تجارت بنالیتے ہیں، اور اسے اپنے ذاتی مفاد کے لئے اپنے دَور کے اُمراء کو فروخت کرتے ہیں۔ خُدا کرے کہ ان کی تجارت میں نفع نہ ہو۔[53]

ہدایت یافتہ قائدین کی پہچان

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ تُعْرَفُوا بِهِ، وَاعْمَلُوا بِهِ تَكُونُوا مِنْ أَهْلِهِ، فَإِنَّهُ

[51] حاکم وخطیب، کنز العمال ۱۰/۱۲۲

[52] دیلمی، کنز العمال ۱۰/۱۱۸

[53] حاکم، کنز العمال ۱۰/۱۱۷

سَيَأْتِي بَعْدَ هٰذَا زَمَانٌ لَا يَعْرِفُ فِيهِ تِسْعَةُ عُشَرَائِهِمُ الْمَعْرُوفَ، وَلَا يَنْجُو مِنْهُ إِلَّا كُلُّ نُوَمَةٍ، فَأُولٰئِكَ أَئِمَّةُ الْهُدٰى وَمَصَابِيحُ الْعِلْمِ، لَيْسُوا بِالْمَسَايِيحِ وَلَا الْمَذَايِيعِ الْبُذُرِ :

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ (اگر) تم علم حاصل کروگے تو اس کے ذریعہ مشہور ہوجاؤگے۔ اور اس پر عمل کروگے تو (صحیح معنیٰ میں) اہلِ علم بنوگے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں دس میں سے نو آدمی بھی معروف (دین کے اچھے کام) سے واقف نہ ہوں گے۔ اُس دور میں (بُرائی سے کوئی بھی) بچ نہیں سکے گا، سوائے اُس شخص کے جو بُرائی سے بالکل بے خبر ہو۔ تو یہی لوگ (علم حاصل کرکے اپنے علم کے مطابق عمل کرنے والے) ہدایت یافتہ قائدین اور علم کے چراغ ہیں، جو فسادی اور چغلخور نہ ہوں گے۔[54]

واقعہ یہ ہے کہ علمائے حق کی دو واضح علامتیں اور اُن کی خصوصیات ہیں: ایک تو وہ اپنے علم کے مطابق عمل کرنے والے ہوں اور دوسرے یہ کہ وہ فسادی اور چغلخور نہ ہوں۔ اور جن اہلِ علم میں یہ صفات پائی جائیں وہ علمائے حق میں سے نہیں بلکہ عُلمائے سُوء میں شمار ہوں گے، جن کا کام ہی اپنے ہم منصب علماء کی چغلی کرنا اور عوام کو ایک دوسرے سے لڑانا ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس قسم کے تماشے آج ہم ہر جگہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ مختلف شہروں میں مُسلمان دو گروہوں میں بٹ کر ایک دوسرے کی پگڑی اُچھالنے بلکہ مار پیٹ تک میں بھی لگے ہوئے ہیں۔ اور یہ سب کچھ فتنہ ہے "علم" کے چند ٹھیکیداروں کا۔ خُدا بچائے ایسے "اہلِ علم" سے۔ وہ علم علم ہی نہیں ہوسکتا جو بجائے خیر ہونے کے شر کا ذریعہ بن جائے۔ اصل میں چند دُنیادار قسم کے "عُلماء" محض اپنی دُکانیں چلانے کے لئے اس قسم کے فتنے برپا کرتے رہتے ہیں۔ انہیں علم، دین اور ملّت کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ بلکہ اُمّت کو مختلف گروہوں میں بانٹ کر انہیں لڑاتے رہنا ان کا محبوب ترین مشغلہ بن جاتا ہے۔ اور جن لوگوں کو اس کا چسکہ پڑجائے انہیں اس کے بغیر چین نہیں ملتا۔ الاماں الحفیظ!

جب قرآن کی فوری اُجرت طلب کی جائے گی

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ : خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَقْتَرِئُ فَقَالَ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كِتَابُ اللّٰهِ وَاحِدٌ، وَفِيكُمُ الْأَحْمَرُ، وَفِيكُمُ

[54] دارمی ۱/۸۱

الْاَبْيَضُ، وَفِيكُمُ الْاَسْوَدُ، اِقْرَؤُوهُ قَبْلَ اَنْ يَقْرَأَهُ اَقْوَامٌ يُقِيمُوْنَهُ كَمَا يُقَوَّمُ السَّهْمُ، يُتَعَجَّلُ اَجْرُهُ وَلَا يُتَاَجَّلُهُ:

سہل بن سعد ساعدی کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلعم کا ہم پر گزر ہوا جب ہم قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب ایک ہے اور تم میں لال، سفید اور کالے (ہر قسم کے لوگ) موجود ہیں۔ اس (کتاب) کو پڑھتے رہو قبل اس کے کہ (تمہارے بعد) اس کو ایسی قومیں پڑھنے لگیں گی اور اس (کے حروف و مخارج) کو اس طرح درست کرنے لگیں گی جس طرح کہ تیر (چھیل چھیل کر نہایت درجہ محنت و مشقت سے) تیار کیا جاتا ہے۔ وہ لوگ اس کا اجر فوری طور پر (دنیا ہی میں) طلب کرنے لگیں گی اور اُسے مؤخر نہیں کریں گی ۵۵

ایک دوسری روایت میں اس کی مزید صراحت اس طرح ملتی ہے:

قَالَ فِيكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ، يَتَعَلَّمُهُ الْاَسْوَدُ وَالْاَحْمَرُ وَالْاَبْيَضُ، تَعَلَّمُوْهُ قَبْلَ اَنْ يَاْتِيَ زَمَانٌ يَتَعَلَّمُهُ نَاسٌ وَلَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ وَيُقَوِّمُوْنَهُ كَمَا يُقَوَّمُ السَّهْمُ، فَيَتَعَجَّلُوْنَ اَجْرَهُ وَلَا يَتَاَجَّلُوْنَهُ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کتاب اللہ موجود ہے، جس کی تعلیم کالا اور گورا حاصل کرتا ہے۔ تم اسے سیکھو اس سے پہلے کہ ایسے لوگ اسے سیکھیں جن کے حلق کے نیچے یہ اُتر نہ سکے۔ وہ اُس (کے حروف و مخارج کی) اس طرح درست کرتے رہیں گے جس طرح کہ تیر (چھیل چھیل کر) درست کیا جاتا ہے۔ تو اس بنا پر وہ اس کی اُجرت کو فوری طور پر طلب کرنے لگیں گے اور اسے مؤخر نہیں کریں گے ۵۶

مُخبرِ صادق (علیہ الصلاۃ والسلام) کی یہ پیشین گوئی بھی آج پوری ہو چکی ہے۔ لوگ قرآن کریم کے معانی و مطالب کو سمجھنے اور اُنہیں دلوں میں اُتارنے کے بجائے محض اُس کی ظاہری تزئین و آرائش پر اتنا زور دیتے ہیں کہ اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ اور پھر فوری معاوضہ حاصل کر کے اس کی قدر و منزلت کو بالکل ہی گھٹا دیتے ہیں۔ اسی بنا پر آج لوگوں کے دلوں سے قرآن حکیم کی عظمت و بزرگی جاتی رہی ہے۔

---

۵۵ سُنن ابوداؤد کتاب الصلاۃ، ۱/۵۲۰-۵۲۱، مطبوعہ حمص (شام)

۵۶ مسند احمد ۵/۳۳۸، بزار ابن ماجہ، ابن حبان، طبرانی، بیہقی اور سعید بن منصور، بحوالہ کنز العمال ۱۰/۱۱۷

جب معروف منکر اور منکر معروف بن جائے گا

فَاِنَّهُ يَاْتِيْ زَمَانٌ يَشْتَبِهُ فِيْهِ الْحَقُّ وَالْبَاطِلُ، وَيَكُوْنُ الْمَعْرُوْفُ فِيْهِ مُنْكَرًا وَالْمُنْكَرُ فِيْهِ مَعْرُوْفًا: ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جب کہ حق اور باطل میں التباس پیدا ہو جائے گا اور اُس دور میں معروف منکر بن جائے گا اور منکر معروف ۵۷

یہ حقیقت موجودہ دور میں پوری طرح صادق آرہی ہے۔ چنانچہ آج خیر و شر، نیکی بدی اور حق اور باطل کا معیار اور اُس کا فلسفہ بدل گیا ہے اور فکری پیمانے تبدیل ہو گئے ہیں۔ آج گناہ کو گناہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ اسے ایک آرٹ اور فیشن کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ اور نیکی و بھلائی کمزوری کی علامت قرار دی جاتی ہے۔ دین و اخلاق کو ماضی کی علامت اور دقیانوسیت کی نشانی تصور کیا جاتا ہے۔ اس طرح معروف ختم ہو رہا ہے اور منکرات کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔

گمراہ لوگوں کی صحبت سے اجتناب ضروری

دین سے دُوری کی سب سے بڑی وجہ علم سے دُوری ہے۔ اور علم سے دُوری کی وجہ دنیا کی رغبت اور دُنیا داروں اور نفس کے بندوں کی صحبت ہے۔ لہٰذا خُدا سے نزدیکی اور قُرب حاصل کرنے کے لئے حصولِ علم اور بُرے لوگوں کی صحبت سے دُوری ضروری ہے۔ ورنہ انسان اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور خاص کر گمراہ، در بدعتی لوگوں کی صحبت سے سخت پرہیز کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ دوسروں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر کے دین سے برگشتہ کر سکتے ہیں۔ جس کا نتیجہ خُدا اور اُس کے دین سے دُوری ہو گا۔

قَالَ اَبُوْ قِلَابَةَ لَا تُجَالِسُوْا اَهْلَ الْاَهْوَاءِ وَلَا تُجَادِلُوْهُمْ، فَاِنِّيْ لَا آمَنُ اَنْ يَغْمِسُوْكُمْ فِيْ ضَلَالَتِهِمْ، اَوْ يَلْبِسُوْا عَلَيْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْرِفُوْنَ: ابو قلابہ کہتے ہیں کہ تم لوگ نفس پرستوں کی صحبت میں مت بیٹھو اور نہ اُن سے مباحثہ کرو۔ کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ وہ لوگ تمہیں گمراہی میں مبتلا کر دیں یا جو کچھ تم علم رکھتے ہو اُس میں التباس پیدا کر دیں ۵۸

---

۵۷ دارمی ۱/۱۶۳

۵۸ ایضاً ۱/۱۰۸

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیٍّ قَالَ : لَا تُجَالِسُوْا اَصْحَابَ الْخُصُوْمَاتِ، فَاِنَّھُمُ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْ اٰیَاتِ اللّٰہِ : ابو جعفر محمد بن علی فرماتے ہیں کہ تم لوگ (دین کے بارے میں) جھگڑنے والوں کی صحبت اختیار نہ کرو۔ کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی آیات میں عیب جوئی کرتے ہیں (جیسا کہ سورۂ انعام ۶۸ میں مذکور ہے)۔[۵۹]

تین باتوں میں مغلوب نہ ہوں

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ لَا یَغْلِبُوْنَا عَلٰی ثَلَاثٍ : اَنْ نَاْمُرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَنْھٰی عَنِ الْمُنْکَرِ وَنُعَلِّمَ النَّاسَ السُّنَنَ : حضرت ابو ذر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے ہم کو حکم دیا کہ لوگ تین باتوں میں ہم کو مغلوب نہ کر دیں : ہم (لوگوں کو) معروف یعنی اچھی باتوں کا حکم کرتے رہیں، اُنھیں مُنکر یعنی بُری باتوں سے روکتے رہیں اور اُنھیں سُنّتوں کی تعلیم دیا کریں۔[۶۰]

یہ اسلامی معاشرہ کی اصلاح اور اُس کی دُرستی کے لئے ایک صحیح اور قیمتی اُصول ہے۔ لہٰذا اصلاح پسند طبقے کو اس اُصول سے غافل نہ ہونا چاہئے۔ دین میں خرابی چونکہ بدعتوں کے رواج پا جانے کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے اس لئے بدعتوں کو ختم کرنا اور سُنّتوں کو رائج کرنا ضروری ہے۔ سُنّت پر عمل کرنا اور اس کی دعوت دینا "معروف" کی طرف بلانا اور بدعتوں کو مٹانے کی آواز بلند کرنا "مُنکر" کو مٹانا اور اُس کے خلاف جنگ کرنا ہے۔

علمِ اصلی کی تین قسمیں

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : اَلْعِلْمُ ثَلَاثَۃٌ، فَمَا وَرَاءَ ذٰلِکَ فَھُوَ فَضْلٌ : اٰیَۃٌ مُحْکَمَۃٌ، اَوْ سُنَّۃٌ قَائِمَۃٌ اَوْ فَرِیْضَۃٌ عَادِلَۃٌ : رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ علم تین قسم کا ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ (اصل ضرورت سے) زائد ہے : (۱) آیتِ مُحکم (جو منسوخ یا متشابہ نہ ہو) (۲) ثابت شدہ حدیث (۳) وارثوں کے حصے جات۔[۶۱]

---

[۵۹] دارمی ۱/۱۱۰

[۶۰] ایضاً ۱/۱۳۶

[۶۱] سنن ابن ماجہ، مقدمہ ۱/۲۱

یعنی یہ تین قسم کے علوم ہی دین کے اصل علوم ہیں جن پر شریعت کا دار و مدار ہے۔ باقی علوم زوائد یا مُعاون علوم میں سے ہیں۔ لہٰذا مُسلمانوں کے دین و ایمان کی درستی کے لئے ہر دور میں ان علوم کی حامل اور ان کی باریکیوں میں درک رکھنے والی ایک جماعت کا وجود ضروری ہے۔ اگر مسلمان اس قسم کی جماعت پیدا کرنے سے غافل رہے تو اس کا وبال سب پر ہوگا۔

قاضیوں کی تین قسمیں

اَلْقُضَاۃُ ثَلَاثَۃٌ : اِثْنَانِ فِی النَّارِ وَوَاحِدٌ فِی الْجَنَّۃِ، رَجُلٌ عَلِمَ الْحَقَّ فَقَضٰی بِہٖ فَھُوَ فِی الْجَنَّۃِ، وَرَجُلٌ قَضٰی لِلنَّاسِ عَلٰی جَھْلٍ فَھُوَ فِی النَّارِ، وَرَجُلٌ جَارَ فِی الْحُکْمِ فَھُوَ فِی النَّارِ :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قاضیوں کی تین قسمیں ہیں۔ ان میں سے دو دوزخ میں ہوں گے اور صرف ایک جنّت میں ہوگا۔ وہ شخص جس نے حق بات کو جانا اور اس کے مُطابق فیصلہ کیا تو وہ جنّت میں ہوگا۔ وہ شخص جس نے لوگوں کے لئے لاعلمی کے عالم میں کوئی فیصلہ کیا تو وہ دوزخ میں ہوگا۔ اور وہ شخص جس نے فیصلہ کرنے میں زیادتی کی تو وہ بھی دوزخ میں ہوگا۔[۶۲]

لالچ علم کو سینے سے نکال دیتا ہے

حَدَّثَنِیْ عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ لِعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَلَامٍ مَنْ اَرْبَابُ الْعِلْمِ ؟ قَالَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ بِمَا یَعْلَمُوْنَ۔ قَالَ فَمَا یَنْفِی الْعِلْمَ مِنْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ ؟ قَالَ الطَّمَعُ :

عُبید اللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے عبد اللہ بن سلامؓ سے پوچھا کہ اربابِ علم کون ہیں ؟ تو اُنھوں نے جواب دیا کہ وہ لوگ جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتے ہوں۔ پوچھا کہ علم کو لوگوں کے سینے سے کیا چیز نکال دیتی ہے ؟ تو کہا کہ طمع و لالچ۔[۶۳]

---

[۶۲] سنن ابن ماجہ ۲/۷۷۶

[۶۳] دارمی ۱/۱۴۳

واقعہ یہ ہے کہ حرص وآز اور طمع ولالچ ہی تمام فتنوں کی جڑ اور علم کے لئے سمِ قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا اہلِ علم کی عافیت قناعت پسندی میں ہے۔ جس نے قناعت پسندی اختیار کرلی وہ نجات پاگیا اور جس نے طمع ولالچ سے کام لیا تو وہ فتنہ میں پڑگیا اور اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی مارلی۔

یہ علم کے چند فتنوں اور اُس کے شرور وآفات کا تذکرہ تھا جس کو مختصر طور پر اور بعض منتخب احادیث وروایات کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اس سلسلے میں چند اہم ترین نکات پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ورنہ اس موضوع پر مختلف احادیث وآثار میں ایک پورا دفتر موجود ہے، جسے جدید انداز میں مدوّن کرنے کی ضرورت ہے۔

تیسرا باب

اسلام میں اشاعتِ علم کا درجہ

اور اُس کی تجدید و اصلاح کی ضرورت

پچھلے ابواب میں بیان کردہ احادیث وآثار کے ذریعہ علم کی قدر ومنزلت اور اُس کے مقام ومرتبہ نیز اُس کے شرور وآفات کا حال بالتفصیل واضح ہوچکا ہے۔ اور دورِ آخر میں فتنوں کے ظہور، علم کے زوال اور اُس کی ناقدری کے تعلق سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی پیشین گوئیوں کی صداقت بھی بخوبی ظاہر ہوچکی ہے۔ مگر حدیثِ نبوی کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ موجودہ فتنوں کے دور میں علم کی تجدید واصلاح اور اُس کی ترویج واشاعت کے سلسلے میں بھی کافی روایات موجود ہیں، جو باطل سے مقابلہ آرائی کی راہ میں کافی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان احادیث وآثار کے ذریعہ علم دین کو پھر سے زندہ کرنے اور اُس کی تجدیدِ نو کے لئے ایک نیا قالب اختیار کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ علمِ حقیقی پر گرد وغبار کی جو تہیں جمع ہوگئی ہیں انہیں صاف کرنا اور دلوں کے زنگ کو دُور کرنا ضروری ہے۔ تاکہ ہماری ملت میں علمِ دین سے آج جو تغافل برتا جارہا ہے وہ دُور ہو اور علم کی قدر دانی اور اُس کے احیاء کے جذبات بیدار ہوں۔ یہ عمل دین کی تجدید اور اُس کی نشأۃ ثانیہ کے لئے بھی بہت ضروری ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ملّتِ اسلامیہ کی نشأۃِ ثانیہ اسلام کی نشأۃِ ثانیہ پر موقوف ہے۔ اور اسلام کی نشأۃِ ثانیہ علمِ دین کی نشأۃِ ثانیہ کے تابع ہے۔ لہٰذا ملّتِ اسلامیہ کی دوبارہ سربلندی علم کی تجدید و احیاء کی مرہونِ منت ہے۔ اس اعتبار سے جو لوگ اور جو تحریکیں علم کی تجدید اور اُس کے احیاء کے سلسلے میں جدوجہد کر رہی ہیں اُن کی بھرپور امداد وہمت افزائی ضروری ہے۔ تاکہ وہ اور زیادہ جوش اور ولولے کے ساتھ اس راہ میں کام کرسکیں اور تیز گامی کے ساتھ منزلِ مقصود تک پہنچنے میں ملّتِ اسلامیہ کی بھرپور مدد کرسکیں۔ کیونکہ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ اس لحاظ سے ہماری ملّت کے لئے ضروری ہے کہ

اس کے افراد اس راہ میں ایک دوسرے کے حقوق و واجبات سمجھنے اور انہیں ادا کرنے کی کوشش کریں۔

بہر حال اس باب میں علم کے فتنوں اور اس کی آفتوں سے بچنے اور علم صحیح کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں جو احادیث و آثار مروی ہیں انہیں ایک نئی ترتیب کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے جو موجودہ علم کی ناقدری اور کساد بازاری کے دور میں بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہیں۔ علم کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں بعض حدیثیں پہلے باب میں بھی گزر چکی ہیں، جہاں پر علم کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

اشاعتِ علم کا مرتبہ

جیسا کہ تفصیلات گزر چکیں اسلام میں علم اور تعلیم سے بڑھ کر کسی چیز کا درجہ نہیں ہے۔ یا اگر کوئی شخص اجر و ثواب میں عالم اور معلّم کا ہم پلہ بن سکتا ہے تو وہ شخص ہے جو اللہ کی راہ میں اپنا مال و متاع بے دریغ خرچ کرنے والا ہو۔ چنانچہ علم و حکمت کی تعلیم دینے والے اور راہِ حق میں خرچ کرنے والے دونوں افراد کو زبانِ نبوت نے قابلِ رشک قرار دیا ہے:

لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالاً فَسُلِّطَ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (دُنیا میں) صرف دو ہی افراد ایسے ہیں جن پر رشک کیا جا سکتا ہے: ایک وہ شخص جس کو اللہ نے کچھ مال دیا ہے اور پھر اُسے اچھے کاموں میں خرچ کرنے پر مُسلّط کر دیا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت و دانائی (دین کی صحیح سمجھ بُوجھ) عطا کی ہے، جس کے مطابق وہ (معاملاتِ زندگی میں) فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اُس کی تعلیم دیتا ہے۔[1]

(اس حدیث میں بجائے علم کے "حکمت" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس میں خصوصی نکتہ یہ ہے کہ علم دین کا تعلق حکمت یعنی دانائی سے ہے۔ گویا کہ پورا دین حکمت و دانائی سے بھرپور ہے، جس میں کسی قسم کی "بے عقلی" یا غیر دانشمندی کی کوئی بات نہیں ہے، جیسا کہ مخالفینِ دین دینداروں کو ہمیشہ

[1] صحیح بخاری کتاب العلم ۱/۲۶، مطبوعہ استانبول، مسلم کتاب صلاۃ المسافرین ۱/۵۵۹، مطبوعہ ریاض، صحیح ابن حبان کتاب العلم ۱/۲۵۶، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت۔

طعنہ دیا کرتے ہیں۔ (آج کل اس مقصد کے لئے "بنیاد پرستی" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے)۔ دین کی اسی "حکمت و دانائی" کو "سمجھنے کا نام" دین کی صحیح سمجھ بُوجھ" ہے، جسے قرآن اور حدیث میں "فقہ" اور "تفقہ" کہا گیا ہے۔)

دین کی یہ صحیح سمجھ بُوجھ یا حکمت و دانائی جسے حاصل ہو جائے وہ یقیناً قابلِ رشک ہے۔ جس کے مُطابق وہ اُمت کے مختلف اُمور و مسائل اور معاملاتِ زندگی میں فیصلہ کرتا اور اس کی دوسروں کو تعلیم دیتا ہو۔ اس لحاظ سے اس میں "فیصلہ کرنے" اور "تعلیم دینے" کا وسیع مفہوم مراد ہو سکتا ہے اور اس میں ہر قسم کی تعلیم و تدریس اور نشر و اشاعت شامل ہو سکتی ہے، جو علم و حکمت کو پھیلانے اور اسے لوگوں تک پہنچانے کے سلسلے میں اختیار کی جائے۔

اسی طرح "راہِ حق میں خرچ کرنے" کا بھی وسیع مفہوم مراد ہو سکتا ہے، خواہ وہ علم دین کی تعلیم و تدریس اور اُس کی نشر و اشاعت کی راہ میں ہو یا کسی بھی کارِ خیر میں۔ مگر اس موقع پر علم و حکمت کے تذکرہ سے علم دین کی تعلیم و تدریس اور اس کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں خرچ کرنے کی مناسبت بالکل واضح ہے۔ اور اس اعتبار سے علم کی نشر و اشاعت کے لئے راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کی تاکید نکلتی ہے۔ ظاہر ہے کہ علم دین کی تحصیل ایک افضل ترین عمل ہے۔ اور اس کی تعلیم و تدریس اور اس کی نشر و اشاعت کا درجہ بھی بالکل واضح ہے۔ لہٰذا اس راہ میں خرچ کرنے کی بہت بڑی فضیلت ہو سکتی ہے۔

دین کی یہ حکمت و دانائی اور اس کی سمجھ بُوجھ ہر دور کے علوم و فنون کے تعلق سے ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر دور میں ایسی خصوصی سمجھ رکھنے والے علماء کو پیدا کرتا رہتا ہے جو اپنے دَور کے تقاضوں کے مُطابق علم دین کی تجدید اور اُس کا احیاء کرتے رہیں۔ اور ہر دور میں علم دین کی تجدید و احیاء کے لئے علماء اور اصحابِ ثروت کا باہمی تعاون ضروری ہے۔ اور اس اعتبار سے ایک مالدار شخص علم دین کی نشر و اشاعت اور اس کی تجدید و احیاء کے سلسلے میں معاونت کر کے اجر و ثواب یا رشک کے اعتبار سے عالم کے مرتبے تک پہنچ سکتا ہے، اگرچہ وہ خود عالم نہ ہو۔ اصحابِ ثروت کی قدر و منزلت بڑھانے کی اس حکمتِ عملی سے دراصل علم ہی کا مقام و مرتبہ بلند کرنا اور اسے اعلیٰ درجہ عطا کرنا مقصود ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے کئی جگہوں پر ذکر کیا ہے۔ بہرحال اس حدیث میں

ترغیب ہے کہ علم دین کے تعلق سے جس دور میں اور جب کبھی "حکمت و دانائی" کا مظاہرہ ہو (جس کے ذریعہ اُس دور کے علمی فتنوں اور باطل تحریکوں کا زور توڑنا مقصود ہو) تو ملت کے اصحاب ثروت اس کا بھرپور ساتھ دیکر علم دین کی قدر و منزلت کو بڑھائیں۔ کیونکہ دین و ملت کا احیاء علم ہی کے احیاء اور اُس کو پروان چڑھانے پر موقوف ہے۔ ورنہ اس سلسلے میں ناقدری اور بے حسی سے نہ صرف حکمت و دانائی سے متصف علماء کی دل شکنی ہوتی ہے (جن کا وجود خال خال اور بہت ہی شاذ و نادر ہوتا ہے) بلکہ اس سے دراصل "علم صحیح" کی ترقی بھی رُک جاتی ہے جو دین و ملت کے لئے نقصان دہ ہے۔

اشاعتِ علم کی ترغیب

جیسا کہ تفصیل گزر چکی دین کی صحت و درستی کا دار و مدار علم کی صحت و درستی پر موقوف ہے اس لئے علم کو پھیلانے اور اس کی اشاعت کرنے کی مختلف حیثیتوں سے ترغیب دی گئی ہے۔ اسی بنا پر علم کو چھپانا یا اس میں کسی قسم کی خیانت کرنا یا اس میں کچھ کمی بیشی کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ نئے نئے حقائق و معارف اور نئے نئے علوم و مسائل کے پیش نظر اس کے نوک پلک درست کئے جاسکتے ہیں اور نئے دور کے تقاضوں کے مطابق اسے نکھارا اور سنوارا جاسکتا ہے۔ اسی کا نام تجدید و احیاء ہے جو اصلاً ایک انبیائی عمل ہے۔ غرض مختلف احادیث و آثار میں علم کو پھیلانے اور اس کی نشر و اشاعت کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ : جو شخص موجود ہے وہ غیر موجود تک (یہ سب باتیں) پہنچادے۔[1]

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً : (لوگو) میری طرف سے (لوگوں کو علم دین کی باتیں) پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔[2]

إِنَّمَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ مُبَلِّغًا وَلَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا : رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے مبلغ بنا کر بھیجا ہے، مشقت میں ڈالنے والا بنا کر نہیں۔[3]

---

[1] بخاری کتاب العلم ۱/۳۵، مسلم کتاب الحج حدیث ۴۴۶، ترمذی کتاب الحج ۳/۱۷۴، نسائی کتاب الحج، ابن ماجہ مقدمہ ۱/۸۵، مسند احمد ۴/۳۱

[2] بخاری کتاب الانبیاء ۴/۱۴۵، ترمذی کتاب العلم ۵/۴۰، دارمی ۱/۱۳۶، مسند احمد ۲/۱۵۹

[3] ترمذی ۵/۴۲۳

پچھلے باب میں بیان کیا جاچکا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک واضح نشانی علم کا زوال اور جہالت و لاعلمی کا عروج ہے۔ لہٰذا علم کی ترویج و اشاعت اور اس کی قدردانی ضروری ہے۔ ورنہ علم دین کی ناقدری کے باعث یہ علم ختم ہوجائے گا۔ اور جب یہ علم ختم ہوجائے گا تو پھر قیامت کی آمد آمد میں کوئی تاخیر نہ ہوگی۔ اس لئے ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ قیامت ہمارے دور میں نہ آئے۔ کیونکہ قیامت بُرے لوگوں (اشرار) پر قائم ہوگی۔ اس لئے اگر وہ ہمارے دور میں آجائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم خود بُرے ہیں۔ لہٰذا قیامت کو ٹالنے کے لئے اپنے آپ کو نیک ثابت کرنا ہوگا۔ اور اپنے آپ کو نیک ثابت کرنے کے لئے اشاعتِ علم ضروری ہے۔ اگر علم دین قائم اور زندہ نہ رہے تو پھر قیامت کو بالکل قریب سمجھنا چاہئے۔

چنانچہ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے ایک مکتوب میں مدینے کے قاضی کو اشاعتِ علم کے سلسلے میں ہدایت دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ علم کو مخفی رکھنا اور اسے پھیلانے سے غفلت برتنا علم کی فنا پذیری کی واضح علامت ہوگی۔

...... وَلْيُفْشُوا الْعِلْمَ وَلْيَجْلِسُوا حَتّٰى يُعَلَّمَ مَنْ لَا يَعْلَمُ، فَإِنَّ الْعِلْمَ لَا يَهْلِكُ حَتّٰى يَكُونَ سِرًّا : علماء کو علم کی اشاعت کرنا چاہئے اور تعلیم دینے کے لئے انہیں (حلقے بنا کر) بیٹھنا چاہئے، تاکہ بے علم آدمی علم حاصل کرلے۔ بات یہ ہے کہ علم جب مخفی ہوجائے گا تو وہ فنا ہوجائے گا۔[5]

قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ، تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ، تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ، فَإِنِّي امْرُؤٌ مَقْبُوضٌ، وَالْعِلْمُ سَيُقْبَضُ، وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ حَتّٰى يَخْتَلِفَ اثْنَانِ فِي فَرِيضَةٍ لَا يَجِدَانِ أَحَدًا يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا :

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ علم حاصل کرو اور اسے لوگوں کو سکھاؤ۔ علم وراثت سیکھو اور اسے لوگوں کو سکھاؤ۔ قرآن سیکھو اور اسے لوگوں کو سکھاؤ۔ کیونکہ میں تو رخصت ہونے والا ہوں اور علم اُٹھا لیا جائے گا۔ پھر فتنے ظاہر ہوں گے یہاں تک کہ دو شخص کسی فریضے کے بارے میں اختلاف کو بیٹھیں گے مگر

---

[5] بخاری کتاب العلم ۱/۳۳

ان کے درمیان کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوگا۔[6]

اَلَا اُدُلُّکُمْ عَلَى الْخُلَفَاءِ مِنِّی وَمِنْ اَصْحَابِی وَمِنَ الْاَنْبِیَاءِ قَبْلِی ؛ وَهُمْ حَمَلَةُ الْقُرْآنِ وَالْاَحَادِیْثِ عَنِّی وَعَنْهُمْ فِی اللّٰهِ وَلِلّٰهِ : کیا میں تمہیں میرے اور میرے صحابہ اور سابقہ انبیاء کے جانشینوں کے بارے میں نہ بتاؤں ؟ وہ قرآن کے حامل اور میری اور میرے اصحاب کی احادیث کے حامل ہیں جو اللہ کی راہ میں کام کرنے والے ہوں۔[7]

مَا عُبِدَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِشَیْءٍ اَفْضَلَ مِنْ فِقْهٍ فِی الدِّیْنِ وَنَصِیْحَةِ الْمُسْلِمِیْنَ : اللہ کی جو کچھ بھی عبادت کی جائے وہ چیز دین کی سمجھ حاصل کرنے اور مسلمانوں کی خیر خواہی کرنے (انہیں علم سکھانے) سے زیادہ افضل نہیں ہو سکتی۔[8]

اَلْغُدُوُّ وَالرَّوَاحُ فِی تَعْلِیْمِ الْعِلْمِ اَفْضَلُ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنَ الْجِهَادِ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ : علم سکھانے کے لئے ایک صبح یا شام نکلنا اللہ کے نزدیک جہاد فی سبیل اللہ سے بھی افضل ہے۔[9]

لَاَنْ یَّهْدِیَ اللّٰهُ عَلٰى یَدَیْكَ رَجُلًا خَیْرٌ لَّكَ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ وَغَرَبَتْ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے ہاتھ پر اللہ اگر ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ بات تیرے لئے اُن تمام چیزوں سے زیادہ بہتر ہے جن پر سورج طلوع اور غروب ہوتا ہو۔ (یعنی دُنیا کی کُل اشیاء سے بہتر)۔[10]

مَا تَصَدَّقَ النَّاسُ بِصَدَقَةٍ اَفْضَلَ مِنْ عِلْمٍ یُنْشَرُ : لوگ جو کچھ بھی (اللہ کی راہ میں) صدقہ کریں مگر وہ اس علم سے بہتر نہیں ہو سکتا جو پھیلایا جا رہا ہو۔[11]

مَا مِنْ صَدَقَةٍ یَتَصَدَّقُ بِهَا رَجُلٌ عَلٰى اَخِیْهِ اَفْضَلَ مِنْ عِلْمٍ یُعَلِّمُهُ اِیَّاهُ : کوئی شخص

---

[6] سُنن دارمی، ١/٤٢-٤٣، دار الکتب العلمیۃ بیروت۔
[7] خطیب بغدادی، منقول از کنز العمال ١٠/٨٦
[8] ابن نجار، کنز العمال ١٠/٨٣
[9] مسند فردوس، ابن نجار، کنز العمال ١٠/٨٨
[10] طبرانی، کنز العمال ١٠/٨٩
[11] ایضاً

اپنے (مسلمان) بھائی کے لئے جو بھی صدقہ کرے مگر وہ اس علم سے بہتر نہیں ہو سکتا جس کی اُسے تعلیم دی جائے۔[12]

مَنْ كَانَ لَهُ عِلْمٌ فَلْیَتَصَدَّقْ مِنْ عِلْمِهِ، وَمَنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فَلْیَتَصَدَّقْ مِنْ مَالِهِ : جس کے پاس کوئی علم ہو وہ اپنے علم کا صدقہ کرے اور جس کے پاس مال ہو وہ اپنے مال کا صدقہ کرے۔[13]

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : مُعَلِّمُ الْخَیْرِ یَسْتَغْفِرُ لَهُ كُلُّ شَیْءٍ حَتَّى الْحُوْتُ فِی الْبَحْرِ : حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بھلائی کی تعلیم دینے والے کے لئے دنیا کی ہر چیز دُعائے مغفرت کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کی مچھلی بھی۔[14]

لوگوں کو علم دین سکھانے والوں کا یہ مقام و مرتبہ اس بنا پر ہے کہ علماء دراصل اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اِنَّ الْعَالِمَ یَدْخُلُ فِیْمَا بَیْنَ اللّٰهِ وَبَیْنَ عِبَادِهِ فَیَطْلُبُ لِنَفْسِهِ الْمَخْرَجَ : عالم اللہ اور اُس کے بندوں کے درمیان (ایک واسطہ کی حیثیت سے) داخل ہوتا ہے۔ (اور اپنے فرائضِ منصبی کو ادا کر کے) وہ اپنی مخلصی کا راستہ تلاش کرتا ہے۔[15]

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ : عَلِّمُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا، وَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْیَسْكُتْ : حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ (لوگوں کو) تعلیم دو اور انہیں (اُخروی نجات کی) خوش خبری سناؤ۔ (دین میں) تنگی نہ کرو۔ اور جب تم میں سے کوئی شخص غصے میں آجائے تو چاہئے کہ وہ خاموش ہو جائے۔[16]

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : اِنَّ مِمَّا یَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ عِلْمًا عَلَّمَهُ وَنَشَرَهُ ...... رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مومن کی موت کے بعد اُس کے عل

---

[12] ابنِ نجار، کنز العمال ١٠/٩٨
[13] ابنِ سُنّی، کنز ١٠/١٤٢
[14] دارمی ١/٩٩ .
[15] ایضاً ١/٥٣
[16] مسند احمد بن حنبل ١/٢٣٩، مطبوعہ بیروت

اور اُس کے حسنات میں سے جو چیزیں اُس کو پہنچتی ہیں اُن میں سے ایک وہ علم بھی ہے جس کی اُس نے تعلیم دی ہے اور اُس کی نشرو اشاعت کی ہے۔[17]

... سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ يَقُوْلُ : يُرَادُ لِلْعِلْمِ الْحِفْظُ وَالْعَمَلُ وَالْاِسْتِمَاعُ وَ الْاِنْصَاتُ وَالنَّشْرُ : سفیان بن عُیینہ کا قول ہے کہ علم کے لئے حفظ، عمل، غور سے سُننا، خاموشی اختیار کرنا اور اُس کی نشرو اشاعت کرنا مطلوب ہے۔ (یعنی یہ خصوصیات علم کے لوازم میں سے ہیں)۔[18]

بہترین مجلس

عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ نِعْمَ الْمَجْلِسُ مَجْلِسٌ يُنْشَرُ فِيْهِ الْحِكْمَةُ وَتُرْجٰى فِيْهِ الرَّحْمَةُ : عون بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ وہ مجلس کیا ہی اچھی مجلس ہے جس میں علم و حکمت کی باتیں پھیلائی جائیں اور خدا سے رحمت کی اُمید کی جائے۔[19]

اس میں علمی حلقے، انجمنیں اور نشرو اشاعت کے ادارے قائم کرنے کی ترغیب ہے۔

احیائے اسلام کے لئے خصوصی علم

اُوپر علم کی فضیلت اور اُس کی نشرو اشاعت کے سلسلے میں جو روایات بیان کی گئیں وہ عمومی قسم کی ہیں۔ ان کے علاوہ بعض ایسی روایات بھی موجود ہیں جن کے مُطابق مختلف عصری فتنوں سے نپٹنے اور باطل افکار و نظریات سے مقابلہ آرائی کر کے دینِ برحق کی حقانیت اور برتری ثابت کرنے کی غرض سے جدید علوم و مسائل سے واقفیت حاصل کرنے کی ترغیب نکلتی ہے۔ علم چونکہ انبیائے کرام کی میراث ہے اس لئے ہر دور میں علمی فتنوں اور اُس کے شرور و آفات کے خلاف عَلَمِ جہاد بلند کر کے خُدائی علم کی تجدید اور اُس کا احیاء کرتے رہنا انبیائے کرام کی سُنّت جاریہ رہی ہے۔ لہٰذا آج یہ فریضہ انبیائے کرام کے وارثین پر عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے دور کے باطل افکار و نظریات اور باطل فلسفوں کے خلاف صف آرائی کے لئے جدید علوم کی تحصیل کر کے ان کے

---

[17] سُنن ابن ماجہ ۱/۸۸، دار الفکر بیروت۔

[18] دارمی ۱/۹۵

[19] ایضاً ۱/۸۷

مقابلے میں دینِ حق کی برتری عقلی نقطۂ نظر سے ثابت کریں۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین صرف اسلام ہے :

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ : اللہ کے نزدیک دینِ (برگزیدہ) اسلام ہے۔ (آل عمران: ۱۹)

کیونکہ وہ فطری قوانین کا حامل ہے، جو حد درجہ معقول و متوازن اور نظامِ فطرت کے عین مُطابق ہیں۔ ان خصوصیات کی بنا پر وہ ہر دور کے باطل فلسفوں اور گمراہ کن افکار و نظریات پر ہمیشہ غالب رہے گا۔ اسی بنا پر ارشادِ باری ہے :

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ : وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچّا دین دے کر بھیجا تاکہ اُسے تمام دینوں پر غالب کر دے۔ (فتح : ۲۸)

موجودہ دور الحاد و دہریت اور مادہ پرستانہ نظریات کا دور ہے، جو جدید علوم میں سرایت کر کے نوعِ انسانی کو مختلف قسم کے فکری و نظریاتی فتنوں میں مبتلا کئے ہوئے ہیں۔ جدید علوم اصلاً مادہ پرستانہ یا انحرافی نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ وہ مادہ پرستوں کے قبضے اور اُن کی سرپرستی میں چلے گئے ہیں اس لئے مُلحد اور خُدا بیزار لوگ ان علوم و مسائل کی تشریح و توجیہہ مُنحرفانہ طور پر مادہ پرستانہ نقطۂ نظر سے کرتے ہیں۔ لہٰذا ان علوم کی خُدا پرستانہ نقطۂ نظر سے توجیہہ و تشریح کے لئے ضروری ہے کہ ان علوم کو مادہ پرستوں کے قبضے سے نکالا جائے۔ اور یہ فریضہ اُس وقت تک انجام نہیں پا سکتا جب تک کہ دینِ حق کے علمبردار جدید علوم میں بھی دسترس اور کمال حاصل نہ کر لیں۔ جب اہلِ اسلام اس میدان کو سر کر لیں تو نہ صرف اس کی وجہ سے مادیت کا طلسم ٹوٹ جائے گا بلکہ علمِ شریعت اور علمِ فطرت — جو دراصل دو جڑواں بہنوں کی طرح ہیں — پھر سے باہم گلے مل کر نوعِ انسانی کی خدمت کا فریضہ بخوبی انجام دے سکیں گے اور صدیوں سے ان دونوں کے درمیان جو دُوری پیدا ہو گئی تھی وہ یکلخت ختم ہو جائے گی۔ اس طرح جدید علوم کے حصول کے باعث کئی قسم کے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں جو دینِ اسلام کی تقویت کا باعث ہوں گے۔ لہٰذا علم اور دین کی تجدید و احیاء کے لئے علماء کو ہر دور میں نئے علوم اور نئے مسائل سے واقف رہنا ضروری ہے۔ کیونکہ جدید علوم و مسائل سے عوام ہمیشہ مرعوب اور سحر زدہ رہتے ہیں۔ اس لئے ہر دور میں جدید علوم کا زور توڑنے اور عوام کو ان علوم کے سحر سے باہر نکالنے کی ضرورت رہتی ہے۔ ورنہ ان علوم کے مقابلے میں وہ

جو نفسیاتی اعتبار سے ایک مُضر چیز ہے۔
علم دین کو کمزور سمجھنے لگیں گے۔

بہرحال انبیائے کرام کی سُنّتِ جاریہ ہمیشہ یہی رہی ہے کہ وہ عصری علوم کا زور توڑنے اور خدائی علم کی برتری ثابت کرنے کی غرض سے دنیا میں تشریف لاتے ہیں۔ اور ان کو معجزات بھی اسی قسم کے دیئے جاتے ہیں۔ چونکہ علماء انبیائے کرام کے علمی وارث ہیں لہٰذا ان کے لئے ضروری ہے کہ جس دور میں جس علم و فن کا زور ہو اُس میں پُوری طرح کمال حاصل کر کے اُس کے مقابلے میں دینِ حق کی برتری ثابت کریں۔ جیسا کہ امام غزالی، امام رازی اور امام ابنِ تیمیہ وغیرہ نے اپنے اپنے دَور میں یہ فریضہ بخوبی انجام دیا تھا۔ اس اعتبار سے موجودہ الحادی فلسفوں کی تردید اور گمراہ کُن افکار و نظریات کی بیخ کُنی کے لئے جدید علوم اور خاص کر سائنسی علوم میں مہارت حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ ورنہ موجودہ دور میں تجدید و احیاء کا عمل نہایت درجہ مشکل ہوگا۔ دینِ برحق کی برتری ثابت کرنے کے لئے عقلی اور سائنٹفک نقطۂ نظر سے موجودہ انحرافی نظریات اور انحرافی فلسفوں کی بے مائیگی ثابت کرنی ہوگی۔ ورنہ موجودہ انسان ـــــ جو ان افکار و نظریات پر بُری طرح فریفتہ ہے ـــــ ان کو ترک کر کے دینِ ابدی کی طرف متوجہ نہیں ہو سکے گا۔

غرض فکری و نظریاتی اعتبار سے یہ ایک بنیادی اور اہم ترین عمل ہے، جو اگر صحیح طور پر انجام پا جائے تو وہ ایک زبردست کارنامہ ہوگا اور ایک ایسا انقلابی عمل کہ بندوق کی ایک گولی تک چلائے بغیر اور کسی خون خرابے کے بغیر خود بخود انجام پا جائے گا۔ مگر یہ عمل وسیع اور اعلیٰ پیمانے پر کرنے کی ضرورت ہے۔

مَنْ طَلَبَ بَاباً مِنَ الْعِلْمِ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ دَرَجَةٌ فِي الْجَنَّةِ: جس نے علم کا کوئی (خاص) فن حاصل کیا تاکہ اُس کے ذریعہ اسلام کو زندہ کرے تو جنّت میں اُس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔[20]

اس روایت میں جو حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے "باب من العلم" سے مراد کوئی بھی مخصوص علم یا علم کا کوئی بھی شعبہ ہو سکتا ہے، جو دینی بھی ہو سکتا ہے اور دنیوی بھی۔ اس نقطۂ نظر سے کوئی بھی دنیوی یا عصری علم حاصل کرنا (جس کا بنیادی مقصد احیائے اسلام ہو) مذموم یا قابلِ ملامت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس پر

[20] ابن نجار، کنز العمال ۱۰/۹۱

نہ صرف اجر و ثواب ملے گا بلکہ ایسے شخص کا مرتبہ انبیائے کرام کے مرتبے سے صرف ایک درجہ کم ہوگا اور وہ درجۂ رسالت کا فرق ہوگا۔ یہی حال حسبِ ذیل روایات کا بھی ہے:

مَنْ خَرَجَ يَطْلُبُ بَاباً مِنَ الْعِلْمِ لِيَرُدَّ بِهِ بَاطِلاً مِنْ حَقٍّ أَوْ ضَلَالاً مِنْ هُدًى كَانَ كَعِبَادَةِ مُتَعَبِّدٍ أَرْبَعِينَ عَاماً: جو کوئی علم کا کوئی خصوصی فن حاصل کرنے کی غرض سے نکلا تاکہ اُس کے ذریعہ باطل کا رد کر سکے تو اُس کا درجہ چالیس سال عبادت گزار کے برابر ہوگا۔[21]

أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنِ الْأَجْوَدِ؟ اَللّٰهُ الْأَجْوَدُ، وَأَنَا أَجْوَدُ وُلْدِ آدَمَ، وَأَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِي رَجُلٌ عَلِمَ عِلْماً فَنَشَرَ عِلْمَهُ، يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أُمَّةً وَحْدَهُ، وَرَجُلٌ جَادَ بِنَفْسِهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ حَتّٰى يُقْتَلَ:

کیا میں تمہیں سب سے بہتر ہستی کے بارے میں نہ بتاؤں؟ اللہ سب سے بہتر ہستی ہے۔ اور میں اولادِ آدم میں سب سے بہتر ہوں۔ اور میرے بعد سب سے بہتر وہ شخص ہے جو کوئی (خاص) علم حاصل کرے اور اپنے علم کو پھیلائے۔ تو ایسا شخص قیامت کے دن تنہا ایک اُمت کے رُوپ میں اُٹھایا جائے گا۔ (یعنی ایسا شخص بجائے خود ایک اُمت ہوگا) اور وہ شخص جس نے اپنے نفس کے ذریعہ اللہ کی راہ میں جدوجہد کی، یہاں تک کہ وہ شہید ہو گیا۔[22]

مَنْ جَاءَ أَجَلُهُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ لَمْ يَفْضُلْهُ النَّبِيُّونَ إِلَّا بِدَرَجَةٍ: جس شخص کی موت اس حال میں آجائے جب کہ وہ احیائے اسلام کی غرض سے علم کی تحصیل میں مشغول ہو تو انبیاء اُس پر ایک درجے میں فضیلت رکھنے والے ہوں گے۔[23]

اہلِ قلم کی روشنائی بھاری ہو جائے گی

يُوزَنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِدَادُ الْعُلَمَاءِ وَدَمُ الشُّهَدَاءِ، فَيَرْجَحُ عَلَيْهِمْ مِدَادُ الْعُلَمَاءِ

[21] دیلمی، کنز العمال ۱۰/۹۲

[22] مُسند ابو یعلیٰ، کنز العمال ۱۰/۸۶

[23] خطیب، کنز ۱۰/۹۱

عَلٰی دَمِ الشُّھَدَاءِ : قیامت کے دن علماء کی روشنائی (جن سے وہ کتابیں لکھتے ہیں) اور شہیدوں کا خون تولا جائے گا تو علماء کی روشنائی شہیدوں کے خون سے بھاری نکلے گی۔[24]

وُزِنَ حِبْرُ الْعُلَمَاءِ بِدَمِ الشُّھَدَاءِ فَرَجَحَ عَلَیْہِ : علماء کی روشنائی شہداء کے خون کے ساتھ تولی گئی تو وہ (روشنائی) بھاری ہو گئی۔[25]

اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ یُوْزَنُ دَمُ الشُّھَدَاءِ بِمِدَادِ الْعُلَمَاءِ ، فَیَرْجَحُ مِدَادُ الْعُلَمَاءِ عَلٰی دَمِ الشُّھَدَاءِ : جب قیامت کا دن ہو گا تو شہداء کا خون علماء کی سیاہی کے ساتھ تولا جائے گا تو علماء کی سیاہی شہداء کے خون سے وزنی ہو جائے گی۔[26]

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ علم اور خاص کر اہلِ قلم حضرات کا مرتبہ تمام لوگوں سے زیادہ ہے، حتیٰ کہ وہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں سے بھی زیادہ مرتبے والے ہیں۔ کیونکہ اہلِ علم و قلم علم اور دین کے محافظ ہیں اور انہیں علم کی حفاظت اور اُس کی تجدید و اصلاح کی راہ میں جو جد و جہد کرنی پڑتی ہے اور اس راہ میں جو مصائب و آفات برداشت کرنے پڑتے ہیں وہ حقیقتاً جہاد بلکہ جہاد فی سبیل اللہ سے بھی بڑھ کر ہے۔

اس اعتبار سے علمِ دین کی تجدید و احیاء کے لئے اہلِ علم و قلم کی قدردانی اور کتابی علم کی ترویج و اشاعت بہت ضروری ہے۔ مگر موجودہ دور میں عام طور پر کتابی علم کے بجائے وعظوں اور تقریروں کی کثرت نظر آتی ہے، جس کی وجہ سے عوام کا ذوق اور مزاج خراب ہو گیا ہے۔ اور وہ سہل انگاری کے طور پر بجائے کتابی علم کی طرف توجہ کرنے اور ٹھوس معلومات حاصل کرنے کے وعظ اور تقریر کے سننے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس طرح اب ہماری ملت میں واعظوں کی بھرمار ہو گئی ہے جو اکثر و بیشتر بے سروپا واقعات سنا کر عوام کا مزاج بگاڑتے ہیں۔ بہرحال ایک حدیث شریف کے مطابق رسولِ اکرم صلعم نے اس سلسلے میں جو پیش گوئی فرمائی ہے وہ مطابقِ واقعہ نظر آتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ : اِنَّکُمْ فِیْ زَمَانٍ عُلَمَاؤُہُ کَثِیْرٌ،

---

[24] ابنِ عبدالبر، ابن جوزی ـ علی، شیرازی، مرہبی، کنزالعمال ۱۰/۸۰

[25] خطیب بغدادی، کنزالعمال ۱۰/۸۰

[26] ابنِ نجار، کنزالعمال ۱۰/۹۹

خُطَبَاؤُہُ قَلِیْلٌ ۔ مَنْ تَرَکَ فِیْہِ عُشَیْرَ مَا یَعْلَمُ ھَوٰی اَوْ قَالَ ھَلَکَ ۔ وَسَیَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یَقِلُّ عُلَمَاؤُہُ وَیَکْثُرُ خُطَبَاؤُہُ ، مَنْ تَمَسَّکَ فِیْہِ بِعُشَیْرِ مَا یَعْلَمُ نَجَا :

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تم لوگ ایک ایسے زمانے میں ہو جس میں علماء کی کثرت اور خطیبوں (واعظوں) کی قلت ہے۔ اس دور میں جو شخص اپنے علم کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دے تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اور ایک ایسا دور بھی آنے والا ہے جب کہ علماء کی قلت اور واعظوں کی کثرت ہو جائے گی۔ اس دور میں جو شخص اپنے علم کے دسویں حصے پر بھی اگر عمل کر لے تو وہ نجات پا جائے گا۔[27]

عورتوں کی تعلیم بھی ضروری

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے :

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا : اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ۔ (تحریم : ۶)

اس آیتِ کریمہ میں گھر والوں سے مراد بیوی بچے ہیں۔ اور انہیں دوزخ سے بچانے کا مطلب ہے انہیں اچھی تعلیم دینا اور ادب سکھانا۔ خاص کر انہیں یہ بتانا کہ اللہ نے کیا کیا چیزیں حلال کی ہیں اور کیا کیا چیزیں حرام کی ہیں۔ اور انہیں نماز روزے کا پابند بنانا وغیرہ۔[28]

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلالؓ کے ساتھ نکلے اور آپ نے عورتوں کو وعظ و نصیحت کی (انہیں دینی باتیں بتائیں) اور انہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔[29]

بعض حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ دورِ رسالت میں عورتوں کی تعلیم کا بھی خصوصی اہتمام کیا جاتا تھا۔ چنانچہ پچھلے صفحات میں (علم کو قریب سے جھپٹ کر اُچک لینا کے عنوان کے تحت) گزر چکا ہے کہ اُس وقت کے معاشرے میں عورتوں کی تعلیم کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ یہ فقرہ ظاہر کر رہا ہے :

---

[27] مسند احمد ۵/۱۵۵

[28] خلاصہ از تفسیر قرطبی ۱۸/۱۹۵

[29] بخاری کتاب العلم ، ۱/۳۳

.... فَوَاللّٰهِ لَنَقْرَأَنَّهُ وَلَنُقْرِئَنَّهُ نِسَاءَنَا وَاَبْنَاءَنَا : واللہ ہم قرآن پڑھتے رہیں گے اور اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی پڑھاتے رہیں گے۔ (ترمذی)

اسی طرح ایک اور حدیث میں آتا ہے :

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اِنَّ اللّٰهَ خَتَمَ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ بِاٰيَتَيْنِ اُعْطِيْتُهُمَا مِنْ كَنْزِهِ الَّذِيْ تَحْتَ الْعَرْشِ ، فَتَعَلَّمُوْهُنَّ وَعَلِّمُوْهُنَّ نِسَاءَكُمْ ، فَاِنَّهُمَا صَلَاةٌ وَقُرْاٰنٌ وَدُعَاءٌ :

جُبیر بن نُفیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سُورۂ بقرہ کا اختتام دو آیتوں کے ذریعہ فرمایا ہے، جو مجھے اُس خزانے سے عنایت کی گئی ہیں جو عرش کے نیچے ہے۔ تو تُم ان آیتوں کو خود بھی سیکھو اور انہیں اپنی عورتوں کو بھی سکھاؤ۔ کیونکہ یہ نماز بھی ہے اور قرآن و دُعا بھی۔ (یعنی یہ نماز میں بھی پڑھی جا سکتی ہیں اور ان کے ذریعہ دُعا بھی مانگی جا سکتی ہے)۔[30]

اسلام میں آزاد خواتین تو درکنار خود کنیزوں تک کو تعلیم و تادیب سکھانے اور اُنہیں آزاد کر کے اپنے نکاح میں لانے کی ترغیب و تلقین کی گئی ہے۔ جو اسلام کی بے مثال تعلیمات کا ایک نمونہ ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے "تَعْلِيْمُ الرَّجُلِ اَمَتَهُ وَاَهْلَهُ" (مرد کا اپنی کنیز اور اپنی بیوی کو تعلیم دینا) کے عُنوان کے تحت حسبِ ذیل حدیث بیان کی ہے :

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَهُمْ اَجْرَانِ : رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اٰمَنَ بِنَبِيِّهِ وَاٰمَنَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوْكُ اِذَا اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ تَعَالٰى وَحَقَّ مَوَالِيْهِ . وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ اَمَةٌ فَاَدَّبَهَا فَاَحْسَنَ تَادِيْبَهَا وَعَلَّمَهَا فَاَحْسَنَ تَعْلِيْمَهَا ثُمَّ اَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ اَجْرَانِ :

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کو دوگنا بدلہ دیا جائے گا۔ ایک وہ شخص جو اہلِ کتاب میں سے ہے، وہ اپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور محمد صلعم پر بھی ایمان لایا۔ دوسرا وہ غلام جو اللہ کے حق کے ساتھ

[30] دارمی ٢/٤٥٠

اپنے آقا کا حق بھی ادا کرتا ہے۔ تیسرے وہ شخص جس کے پاس کوئی کنیز ہے جس کو وہ اچھا ادب سکھاتا ہے اور اچھی تعلیم دیتا ہے، پھر اُسے آزاد کر کے اُس کے ساتھ نکاح کر لیتا ہے۔ تو اُس کو دوہرا اجر ملے گا۔[31]

اس اعتبار سے اسلام نے نہ صرف عورتوں کے حقوق تسلیم کئے بلکہ انہیں پستی سے نکال کر اعلیٰ مقام و مرتبے تک پہنچایا اور انہیں زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے اور اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آنے کی ہدایات دے کر دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ جب کہ اسلام سے پہلے عورتوں کا درجہ اقوامِ عالم میں نہایت درجہ حقیر اور ناگفتہ بہ تھا۔ چونکہ ماں کی گود نئی پود کے لئے اولین مدرسے کا درجہ رکھتی ہے اس لئے عورتیں اگر جاہل اور غیر مہذب رہ گئیں تو پھر ان کی گود میں پلنے والی اولاد بھی جاہل اور غیر مہذب رہے گی اور اس کے اثرات بچوں میں ضرور آ کر رہیں گے۔ اس اعتبار سے عورتوں کی تعلیم و تربیت بہت ضروری ہے۔

غرض اللہ کے حقوق کی ادائیگی جس طرح مردوں پر فرض ہے اسی طرح وہ عورتوں پر بھی فرض ہے۔ لہٰذا خُدا کے احکام، نیکی بدی، خیر و شر اور معروف و منکر وغیرہ سے واقفیت عورتوں کے لئے بھی ضروری ہے۔ نیز عورتیں اگر جاہل اور بے علم رہیں گی تو وہ آسانی سے بداعتقادیوں کا شکار ہو کر بدعات و خرافات اور مختلف قسم کے فتنوں میں مبتلا ہو سکتی ہیں۔ اور غیر شرعی چیزوں کی شیدا بن کر اپنا دین و ایمان خراب کر سکتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مردوں کی بہ نسبت عورتیں اس قسم کے فتنوں میں زیادہ مبتلا دکھائی دیتی ہیں۔ لہٰذا انہیں اعتقادی اور عملی فتنوں سے بچانے کے لئے ان کی صحیح تعلیم و تربیت بہت ضروری ہے۔ عورتوں کو بقدرِ ضرورت قرآن اور حدیث کی تعلیم ضرور دینی چاہئے جن پر شریعت کا مدار ہے۔

دورِ رسالت میں عورتیں نہ صرف قرآن اور حدیث[32] کی تعلیم حاصل کیا کرتی تھیں بلکہ ان کے معانی و مطالب پر بھی عبور رکھتی تھیں۔ اس سلسلے میں ازواجِ مطہرات بہت زیادہ مشہور و ممتاز نظر آتی ہیں۔ مگر ان کے علاوہ عام عورتیں بھی اس وصف میں کچھ کم نہیں تھیں۔ چنانچہ اس موقع پر دو مثالیں بیان کی جاتی ہیں، جن سے اُس دور کی عورتوں کی تعلیمی حالت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

[31] بخاری کتاب العلم ١/٣٢ نیز ترمذی کتاب النکاح ٣/٤٢٤

[32] دورِ رسالت میں علم کا دار و مدار قرآن اور حدیث ہی پر تھا۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے خُطبہ دیتے ہُوئے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کے مہر باندھنے میں مُبالغہ مت کرو۔ کیونکہ اگر یہ دینی و دنیوی اعتبار سے شرف کی کوئی چیز ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سب سے زیادہ مُستحق تھے جب کہ آپ نے اپنی کسی زوجہ یا دختر کا مہر بارہ اُوقیہ سے زیادہ نہیں باندھا۔ اس پر ایک عورت نے کھڑے ہوکر کہا کہ اے عمر! جب اللہ ہم کو دینا چاہتا ہے تو تم ہمیں محروم کیوں کر رہے ہو؟ کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا ہے "وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا" (اور تم ان میں سے کسی ایک کو ایک ڈھیر (مال) بھی اگر دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس مت لو)۔ تو اس پر حضرت عمرؓ نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہُوئے فرمایا:

أَصَابَتِ امْرَأَةٌ وَأَخْطَأَ عُمَرُ: ایک عورت نے درست کہا اور عُمر نے غلطی کی۔[۳۳]

اور دوسرا واقعہ وہ ہے جسے امام بخاری نے سورۂ حشر کی تفسیر (وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ رسول جو کچھ تمہیں دے دے اُسے لے لو) کے ضمن میں بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابنِ مسعودؓ نے حُسن و آرائش کی خاطر ہاتھوں اور چہروں کو گودنے والی عورتوں کی مذمت کرتے ہُوئے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُوتَشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ: اللہ لعنت کرے (ہاتھوں اور چہروں کو) گُودنے اور گُدوانے والی عورتوں پر۔ اور اُن عورتوں پر بھی جو خوبصورتی کے لئے چہرے کے بال اُکھاڑتی ہیں اور دانتوں کو ریتی کرکے کُشادہ کرتی ہیں۔ اس طرح وہ اللہ کی خلقت کو بدلنے والی ہیں۔

یہ بات بنی اسد کی ایک عورت اُم یعقوب کو پہنچی تو وہ آپ کے پاس آئیں اور کہا کہ مجھے معلوم ہُوا ہے کہ آپ نے اس طرح فرمایا ہے۔ تو اس پر ابنِ مسعود نے جواب دیا کہ میں ان عورتوں پر لعنت کیوں نہ کروں جن پر اللہ کے رسول نے لعنت کی ہے اور کتاب اللہ میں بھی اس (لعنت) کا تذکرہ موجود ہے۔ اُس عورت نے کہا کہ میں نے تو پورا قرآن پڑھ لیا ہے مگر جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہ اس میں موجود نہیں ہے۔ اس پر ابنِ مسعودؓ نے کہا کہ اگر تم (واقعی اور اُصولی حیثیت سے) قرآن پڑھتیں تو یہ مسئلہ ضرور سمجھ لیتیں۔ کیا تم نے قرآن میں یہ نہیں پڑھا:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا: اور رسول جو کچھ تمہیں دے دے

---

[۳۳] تفسیر قُرطبی ۵/۹۹ (سورۂ نساء آیت ۲۰ کی تفسیر میں) اس آیت کریمہ سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ عورت کو ڈھیر سا مال دینا بھی جائز ہے۔

اُسے لے لو اور جس چیز سے منع کرے اُس سے رُک جاؤ۔ (حشر: ۷)

عورت نے کہا کہ میں نے ضرور پڑھا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم ہی نے (مذکورہ باتوں سے) منع فرمایا ہے۔ (گویا کہ رسول اللہ صلعم نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے وہ اُصولی اعتبار سے قرآن ہی کے منع کردہ احکام ہیں)۔

تب اُس عورت نے کہا کہ آپ کی بیوی بھی تو یہ کام کرتی ہے! اس پر حضرت ابنِ مسعودؓ نے فرمایا کہ اچھا تو ذرا میرے گھر جاکر دیکھ آؤ۔ جب وہ گئیں تو اُنھوں نے وہاں پر ایسی کوئی بات نہ پائی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میری بیوی واقعی ایسی ہوتی تو پھر وہ میرے ساتھ نہ رہ سکتی تھی۔[۳۴]

ذخیرۂ حدیث کی تلاش و جستجو سے اس قسم کی اور بھی مثالیں مل سکتی ہیں کہ اسلام نے دُنیا میں جو تعلیمی انقلاب برپا کیا اس میں عورتوں نے بھی خصوصی حصّہ لیا اور وہ بھی زیورِ تعلیم سے آراستہ ہوکر اپنے حقوق و واجبات کو پہچاننے اور انہیں ادا کرنے میں لگ گئیں۔

لوگوں کی سمجھ کے مُطابق گفتگو ضروری

تعلیم کا سب سے پہلا اور بنیادی اُصول یہ ہے کہ خطاب کرنے والا شخص اپنے مخاطبین کی ذہنی سطح کا خیال رکھے اور ایسے مشکل یا پیچیدہ مسائل بیان نہ کرے جو مخاطبین کی علمی سطح سے بالا تر ہوں، جن کو وہ سمجھ نہ سکتے ہوں۔ مثلاً نوعمر اور نوخیز طلبہ کے سامنے اگر کوئی ارسطو یا افلاطون کا فلسفہ بیان کرنا شروع کر دے تو یہ ایک بے جا بات ہوگی اور نوخیز طلبہ پر ظُلم بھی۔

اور اس سلسلے میں دوسرا اُصول یہ ہے کہ ہر دور میں عصری علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کے باعث لوگوں کے افکار و خیالات پر اُن کی ایک چھاپ سی رہتی ہے، جس کے باعث اُن کے سوچنے سمجھنے کا انداز دوسرے ادوار سے جُدا اور مختلف ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک ماہرِ تعلیم یا ایک اصلاح پسند عالم کو اپنی بات مؤثر اور دلنشین انداز میں پیش کرنے کے لئے لوگوں کی ذہنیت اور اُن کی نفسیات سے واقفیت ضروری ہوتی ہے، تاکہ اُن کے شکوک و شبہات کو دُور کیا جائے اس اعتبار سے عصری اُسلوب و لہجہ اختیار کرنا بھی ایک فن اور ایک آرٹ ہے۔ اور اس کا مقصد محض

---

[۳۴] بخاری کتاب التفسیر ۶/ ۵۸ - ۵۹

اپنی بات کو مؤثر اور دلنشین بنانا ہے، تاکہ دین کی تبلیغ کے لئے نیا قالب اور نیا پیرہن اختیار کیا جائے۔ اور یہ کوئی نیا اُصول یا نیا قاعدہ نہیں بلکہ اسلامی اُصولوں ہی کا ایک قیمتی اور زرین اُصول ہے، جیسا کہ حسب ذیل روایات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔

(عن ابن عباس) اُمِرْنَا اَنْ نُكَلِّمَ النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ : حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں سے اُن کی سمجھ کے مطابق گفتگو کریں۔[35]

(عن عائشة) مَنْ حَدَّثَ بِحَدِيْثٍ لَا يَعْلَمُ تَفْسِيْرَهٗ، لَا هُوَ وَلَا الَّذِیْ حَدَّثَهٗ اِلَّا كَاَنَّمَا هُوَ فِتْنَةٌ عَلَيْهِ وَعَلَى الَّذِیْ حَدَّثَهٗ : حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جس نے کوئی ایسی حدیث بیان کی جس کا مطلب وہ نہیں جانتا اور نہ وہ شخص جانتا ہے جس نے وہ حدیث (اُس شخص کو) بیان کی ہے، تو یہ بات اُس کے لئے اور اُس کے بیان کرنے والے کے لئے ایک فتنہ کی طرح ہوگی۔[36]

(عن ابن عباس) لَا تُحَدِّثُوْا اُمَّتِیْ مِنْ اَحَادِيْثِیْ اِلَّا بِمَا تَحْمِلُهٗ عُقُوْلُهُمْ : میری اُمت کو میری وہی حدیثیں بیان کرو جن کی عقلیں اُن کی متحمل ہو سکیں۔[37]

(عن علی) حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ، اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ يُكَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ : لوگوں سے وہی حدیثیں (یا وہی باتیں) بیان کرو جن کو وہ جانتے ہوں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اُس کے رسول کی تکذیب کی جائے؟[38]

یہ اُصول اسلام کے دورِ اول ہی سے چلا آ رہا ہے جسے موجودہ دور میں فراموش کر دیا گیا ہے۔ اور بعض لوگ جدید علوم و مسائل سے تعرض کرنے کو بہت بڑی بدعت بلکہ بددینی تصور کرتے ہیں۔ تو اس قسم کے ذہن و مزاج کی اصلاح ضروری ہے۔ ورنہ عالمِ انسانی کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

---

[35] دیلمی، کنز العمال ۱۰/۱۴۳

[36] ابن سنی، کنز العمال ۱۰/۱۴۳

[37] ابونعیم، کنز العمال ۱۰/۱۴۳

[38] مسند فردوس، یہ حدیث بخاری میں موقوفاً مذکور ہے، کنز العمال ۱۰/۱۴۶

چوتھا باب

قرآنِ حکیم کا مقام و مرتبہ

اور قرآنی علم کی نشر و اشاعت

قرآنِ حکیم ایک ایسی جامع اور حیرت انگیز کتاب ہے جس کی مثال پیش کرنے سے پُوری انسانی تاریخ اور علوم و فنون کا سارا دفتر عاجز و بے بس ہے۔ کیونکہ یہ کسی انسان کا تصنیف شدہ کلام نہیں بلکہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہُوا صحیفہ ہے۔ اسی وجہ سے وہ اب تک تازہ اور سدا بہار نظر آ رہا ہے جبکہ انسانی علوم و فنون اور انسانی افکار و خیالات کی دُنیا ہی بدل گئی ہے۔ چنانچہ انسان کی تصنیف کردہ کتابوں میں ہمیشہ یہ خامی موجود رہتی ہے کہ کوئی تصنیف سو دو سو سال تو درکنار دس بیس سال بھی بغیر کسی ترمیم و اضافے کے شکل ہی سے چل پاتی ہیں۔ جیسا کہ یہ حقیقت اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس یہ وہ واحد کتاب ہے جو چودہ صدیاں گُزر جانے کے باوجود نہ صرف یہ کہ ناقابلِ ترمیم دکھائی دے رہی ہے بلکہ نئے نئے علوم و معارف اور نئے نئے اکتشافات کے باعث اس کے حیران کن جلوے منظرِ عام پر آ رہے ہیں اور اس کے اسرارِ سربستہ کی نقاب کشائی اس طرح ہو رہی ہے کہ نوعِ انسانی اس کے اعجاز کو دیکھ کر مبہوت و ششدر رہ گئی ہے۔ چنانچہ دن بدن اس کے اسرار و معارف کُھلتے جا رہے جو اس کے من جانب اللہ ہونے کا صاف صاف اعلان و اعتراف ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں کہا گیا ہے:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ : ہم عنقریب ان (منکرینِ حق) کو اپنے نشانات و دلائل دکھا دیں گے، ان کے گرد و نواح میں بھی اور خود ان کے اپنے وجود میں بھی، تا آنکہ ان پر یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ (کلام) برحق ہے۔ (حٰمٓ سجدہ : ۵۳)

قرآنِ حکیم کی حیرت انگیز جامعیت

قرآنِ حکیم ایک ایسی جامع اور بے مثال کتاب ہے جس کا قانون و شرائع اور اخلاق و فلسفہ کی دُنیا میں

کوئی جواب نہیں ہے۔ یہ دُنیا کی واحد و منفرد اور مختصر ترین انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں قانون و شرائع اور اخلاق و فلسفے کے دفتروں کو اس طرح سمو دیا گیا ہے کہ کسی بھی علم و فن کا ماہر جب اس کی ابدی آیات و کلمات کی طرف نظر ڈالتا ہے تو اُسے اُصولی اعتبار سے حقائق و معارف کا سمندر اس میں ٹھاٹھیں مارتا ہُوا اور اس کی آنکھوں کو خیرہ کرتا ہُوا نظر آتا ہے۔ کیونکہ یہ کتاب حکمت خالقِ ارض و سما کی جانب سے اُتاری ہُوئی ہے، جس کی نظروں سے کائناتِ مادی اور کائناتِ رُوحانی کی کوئی بھی چیز حتیٰ کہ ایک تنکا تک بھی غائب یا اوجھل نہیں ہے:

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ: اور اُسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، جن کو اُس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ وہ بر و بحر کی تمام چیزوں کو جانتا ہے۔ اور جو بھی پتہ (اپنے درخت سے) گرتا ہے اُسے بھی جانتا ہے۔ زمین کی تاریکیوں میں ایسا کوئی دانہ اور ایسی کوئی خشک و تر چیز موجود نہیں ہے جو (اس) کتابِ روشن میں درج نہ ہو۔ (انعام: ۵۹)

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ: (اے محمد) ہم نے آپ پر وہ کتاب اُتاری ہے جو ہر چیز کی خوب وضاحت کرنے والی ہے۔ (نحل: ۸۹)

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ: اور ہم نے نوعِ انسانی کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال بیان کردی ہے تاکہ وہ متنبہ ہو سکے۔ (زمر: ۲۷)

اللہ تعالیٰ چونکہ حکیم مُطلق ہے اور اس کا علم کائنات کی ہر چیز اور ہر دور پر محیط ہے اس لئے وہ شرعی و طبیعی اُمور سے متعلق ایسے جامع اور وسیع قوانین اور ایسے ہمہ گیر اُصول بیان کرتا ہے جو کسی بھی دور میں ناقابلِ تغیر ہوں اور انسانی علوم و فنون کے ارتقاء سے وہ کسی بھی حال میں متاثر نہ ہو سکتے ہوں۔ چنانچہ چودہ سو سالہ تاریخ شاہد ہے کہ جدید علوم و فنون اور جدید انکشافات کے باعث آج تک قرآن حکیم کا کوئی بیان متاثر نہیں ہو سکا ہے اور اس کی تعلیمات پر کوئی حرف نہیں آسکا ہے۔ یہ قرآن حکیم کا ایک تحیّر خیز معجزہ اور اُس کی حقانیت کی نہایت درجہ واضح اور روشن ترین دلیل ہے۔

قرآن تمام علوم و معارف کا جامع

اللہ تعالیٰ کی سُنت کے مُطابق ہر دور میں ہر نبی کو کوئی نہ کوئی معجزہ دے کر دُنیا میں بھیجا گیا تھا، تاکہ لوگ اُس کی حقانیت کا یقین کر کے اُس پر ایمان لائیں، مگر سابقہ انبیاء کے تمام معجزات حِسّی تھے، جب کہ پیغمبرِ آخر زماں کو جو معجزہ دے کر بھیجا گیا ہے یعنی قرآنِ مجید وہ عقلی ہے، جو قیامت تک قائم رہے گا۔ قرآن کا اصلی اعجاز یہ ہے کہ وہ انسانی ضرورتوں کے لحاظ سے ایسے جامع اور متوازن قوانین کا مجموعہ ہے جو کسی بھی دور کے لحاظ سے اُس کی کفایت اور اُس کی صحیح رہبری کر سکتے ہیں۔ اس اعتبار سے وہ کسی بھی دور میں نوعِ انسانی کی صحیح رہبری سے عاجز و بے بس نہیں رہ سکتا، خواہ زمانہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرلے اور انسانی علوم و فنون کتنے ہی اعلیٰ مدارج طے کیوں نہ کرلیں۔ بلکہ ہر دور کا انسان خُدائی ہدایت و رہنمائی کا محتاج رہے گا۔

قرآن حکیم میں تمام علوم و فنون کا تذکرہ اُصولی اعتبار سے موجود ہے۔ اور وہ تمام سابقہ آسمانی کتابوں کا بھی جامع ہے۔ یعنی اس میں پچھلی تمام کتابوں اور شریعتوں کا خلاصہ آگیا ہے۔ اسی بنا پر ارشادِ باری ہے:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ: (اے محمد) ہم نے آپ پر یہ کتاب حقانیت کے ساتھ اُتاری ہے جو پچھلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور ان کی نگران و محافظ ہے۔ تو آپ لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ حُکم کے مُطابق فیصلہ کیجئے۔ (مائدہ: ۴۸)

اس آیتِ کریمہ میں قرآن مجید کو سابقہ کتب کا "مُھیمن" کہا گیا ہے، جس کے معنی امین یا نگران و محافظ کے ہیں۔ جیسا کہ امام بخاری نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے:

اَلْمُهَيْمِنُ الْأَمِينُ. اَلْقُرْآنُ أَمِينٌ عَلَى كُلِّ كِتَابٍ قَبْلَهُ: قرآن سابقہ تمام کتابوں کا امین ہے[1]

حضرت حسن بصری سے منقول ہے:

[1] بخاری کتاب تفسیر القرآن، سورہ ۵ باب ۱، ۵/۱۸۵، مطبوعہ استانبول، ۱۹۷۹ء

أَنْزَلَ اللّٰهُ مِائَةً وَأَرْبَعَةَ كُتُبٍ، وَأَوْدَعَ عُلُومَهَا أَرْبَعَةً، مِنْهَا التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ وَالزَّبُورُ وَالْفُرْقَانُ. ثُمَّ أَوْدَعَ عُلُومَ الثَّلَاثَةِ الْفُرْقَانَ : اللہ نے ایک سو چار کتابیں نازل کیں اور ان سب کے علوم کو چار کتابوں میں داخل کر دیا، جو تورات، انجیل، زبور اور قرآن ہیں۔ پھر ان تین کتابوں کے علوم کو قرآن میں جمع کر دیا۔[۲]

سُنن سعید بن منصور میں حضرت ابنِ مسعودؓ سے مروی ہے:

مَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ فَعَلَيْهِ بِالْقُرْآنِ، فَإِنَّ فِيهِ خَبَرَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ : جسے علم کی جستجو ہے اُس کے لئے قرآن کا مطالعہ ضروری ہے۔ کیونکہ اس میں پچھلے اور اگلے تمام لوگوں کی خبریں موجود ہیں[۳]۔ گویا کہ اس میں تمام اقوامِ عالم اور پوری نوعِ انسانی اور اُن کے علوم و فنون کا تذکرہ اُصولی انداز میں مذکور ہے۔

امام شافعی نے فرمایا کہ اُمت (دین کے بارے میں) جو کچھ کہتی ہے وہ سُنّتِ نبوی کی شرح ہے اور پوری سُنّت قرآن مجید کی شرح ہے۔ نیز یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فیصلہ فرمایا وہ فہمِ قرآن کے تابع تھا۔[۴]

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنِّي لَا أُحِلُّ إِلَّا مَا أَحَلَّ اللّٰهُ، وَلَا أُحَرِّمُ إِلَّا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ : میں صرف اُسی چیز کو حلال کرتا ہوں جسے اللہ نے حلال کیا ہے۔ اور اُسی چیز کو حرام کرتا ہوں جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا ہے[۵]۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ جب میں تم سے کوئی حدیث بیان کروں تو اس کی تصدیق کتاب اللہ میں دکھا سکتا ہوں[۶] اور حضرت ابن عباسؓ کا دعویٰ تھا کہ اگر میرے اُونٹ کی ایک رسی بھی گم ہو جائے تو میں اسے کتاب اللہ میں تلاش کر سکتا ہوں[۷]۔

---

۲ بیہقی، منقول از الاتقان فی علوم القرآن، از امام سیوطی ۲/۱۶۰
۳ الاتقان فی علوم القرآن، ۲/۱۶۰، مطبوعہ مصطفی البابی الحلبی و اولادہ، مصر، الطبعۃ الرابعۃ، ۱۳۹۸ھ
۴ ایضاً
۵ کتاب الام للشافعی، منقول از الاتقان ۲/۱۶۰
۶ الاتقان ۲/۱۶۰
۷ الاتقان ۲/۱۶۱

غرض قرآن حکیم میں ہر بات اور ہر واقعہ کا حکم موجود ہے، جس کی تحقیق و تفتیش اور استنباط کے لئے صحیح فہم و اجتہاد کی ضرورت ہے۔ چنانچہ مفسرین نے اس راہ میں اپنی عمریں کھپا دیں اور مختلف حیثیتوں سے قرآنی علوم و مسائل کا ایک دفتر تیار کر دیا ہے جو تشنگانِ علم کی سیرابی کے لئے بہت کافی ہے۔ مگر پھر بھی اس موضوع پر نئے انداز سے کام کرنے اور جدید اُسلوب میں قرآنی علوم و معارف کو پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ نوعِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے لئے سب سے زیادہ ضروری علم یہی ہے، جس کے ذریعہ اسلام کا اصل اعجاز ظاہر ہوتا ہے۔

قرآن کے اصلی علوم

یوں تو قرآنی علوم کی بہت سی قسمیں ہیں، جن کی تفصیل علامہ بدر الدین زرکشی نے "البرهان فی علوم القرآن" اور علامہ جلال الدین سیوطی نے "الاتقان فی علوم القرآن" میں کی ہے۔ چنانچہ مؤخر الذکر نے اپنی کتاب میں ان کی اسّی (۸۰) قسمیں گنائی ہیں، جو زیادہ تر متداول علوم میں شمار ہوتی ہیں۔ اور خود قرآن میں جن علوم و فنون کا تذکرہ ہے اُن کا کوئی شمار نہیں ہے۔ اور ان سب کا علم سوائے خدائے علیم و خبیر کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔

امام سیوطی کی تصریح کے مطابق تمام علومِ قرآن کی اصل یا اُن کا خلاصہ تین علوم میں محصور ہے: (۱) توحید (۲) تذکیر یعنی یاددہانی (۳) احکام۔ توحید میں مخلوقات کی معرفت اور خالق کی معرفت — اُس کے اسماء، صفات اور افعال سمیت — داخل ہے۔ تذکیر میں وعدہ و وعید اور جنت و دوزخ کا تذکرہ شامل ہے۔ اور احکام میں شرعی تکالیف، اوامر و نواہی اور انسان کے لئے نفع و نقصان کی چیزوں کا بیان شامل ہے۔ اسی بنا پر سُورۂ فاتحہ کو اُمّ القرآن کہا گیا ہے، کیونکہ اس میں یہ تینوں قسم کے مضامین پائے جاتے ہیں۔ اور سُورۂ اخلاص کو ایک تہائی قرآن کہا گیا ہے، کیونکہ وہ مذکورۂ بالا تین اقسام میں سے توحید کی حامل ہے[۸]۔

ابنِ جریر کا قول ہے کہ قرآن تین چیزوں پر مشتمل ہے جو یہ ہیں: (۱) توحید (۲) اخبار۔ یعنی اچھے اور بُرے لوگوں کے واقعات وغیرہ (۳) اور ادیان و مذاہب کا بیان[۹]۔

علی بن عیسیٰ کا قول ہے کہ قرآن تیس چیزوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً امر و نہی، وعدہ و وعید، جنت و دوزخ

---

۸ الاتقان فی علوم القرآن، از امام سیوطی، ۲/۱۶۳-۱۶۴
۹ ایضاً ۲/۱۶۴

مخالفینِ حق کے خلاف حجت قائم کرنا، ملحدین کا رد، خیر و شر کا بیان، نیکیوں کی مدح اور بُروں کی مذمت وغیرہ وغیرہ۔

اُس کی نعمتوں کے اعتراف کی تعلیم، اللہ تعالیٰ کے صفات و افعال کی تعلیم، کا بیان،

لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ یہ تمام مضامین اُصولی اعتبار سے مذکورۂ بالا تین بنیادی علوم میں شامل ہو سکتے ہیں۔ بلکہ ان میں مزید قسمیں بھی داخل ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ قرآن کے عجائب و غرائب کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔[۱۰]

پھر اس کے بعد امام سیوطی تحریر فرماتے ہیں:

قد اشتمل کتابُ اللہ العزیز علی کلّ شیءٍ۔ أمّا أنواعُ العلوم فلیس منها بابٌ ولا مسئلة هی أصلٌ إلّا و فی القرآن ما یدلّ علیها۔ وفیه عجائب المخلوقات و ملکوت السّماوات والأرض وما فی الأفق الأعلیٰ و تحت الثّریٰ و بدء الخلق، و أسماء مشاهیر الرُّسل والملائکة، و عُیون أخبار الأمم السالفة۔

اللہ کی کتاب یقیناً ہر چیز پر مشتمل ہے۔ چنانچہ مختلف علوم میں سے کوئی ایسا باب یا مسئلہ جو بنیادی نوعیت کا حامل ہو، موجود نہیں ہے جس پر قرآن دلالت نہ کرتا ہو۔ غرض اس میں مخلوقات کے عجائب، زمین و آسمانوں کی پوشیدہ چیزوں، فوقانی اور تحتانی (زیرِ زمین) اشیاء اور ابتدائے آفرینش وغیرہ ہر بات کا تذکرہ موجود ہے۔ اسی طرح اس میں مشہور رسولوں اور ملائکہ کے نام نیز گزشتہ قوموں کے واقعات کا ماحصل بھی مذکور ہے۔[۱۱]

ایک مرفوع حدیث کے مطابق علومِ قرآن یا مضامینِ قرآن کی پانچ قسمیں ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْقُرْآنَ نَزَلَ عَلٰی خَمْسَةِ أَوْجُهٍ: حَلَالٌ، وَحَرَامٌ، وَمُحْکَمٌ، وَمُتَشَابِهٌ، وَأَمْثَالٌ۔ فَاعْمَلُوْا بِالْحَلَالِ وَاجْتَنِبُوا الْحَرَامَ، وَاتَّبِعُوا الْمُحْکَمَ، وَآمِنُوْا بِالْمُتَشَابِهِ، وَاعْتَبِرُوْا بِالْأَمْثَالِ:

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قرآن پانچ طرح سے نازل ہُوا ہے: حلال، حرام، محکم (واضح بیان جو ناقابلِ تاویل ہو)، متشابہ (غیر واضح اور مُبہم بیان) اور امثال (مثالیں)۔ تو تُم حلال پر عمل کرو، حرام سے بچو، محکم کی پیروی کرو، متشابہ پر ایمان رکھو اور مثالوں سے عبرت حاصل کرو۔[۱۲]

---

[۱۰] الاتقان فی علوم القرآن، از امام سیوطی، ۲/۱۶۴

[۱۱] ایضاً

یہ ایک بہترین اُصول ہے جس سے ہر عالم اور ہر عامی بخوبی فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں جتنا زیادہ غور و فکر کیا جائے اُس کے اسرار و معارف اسی قدر کُھلتے چلے جاتے ہیں، جن کی کوئی حد وانتہاء نہیں ہے۔

قاضی ابن العربی اپنے بعض شیوخ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ سورۂ بقرہ ایک ہزار امر (حکم)، ایک ہزار نہی اور ایک ہزار خبروں پر مشتمل ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابنِ عمرؓ کو اس سورت کے فہم و تدبر پر آٹھ سال صرف کرنے پڑے۔[۱۳]

نئے مسائل میں قرآن سے رُجوع ضروری

غرض قرآنِ حکیم تمام علوم و معارف کا جامع اور مُسلمانوں کے لئے فکری و شرعی اعتبار سے ایک بنیادی ماخذِ علم اور اُن کے افکار و نظریات کے لئے مرکز و محور کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں اختصار کے ساتھ ہر علم و فن کو پُوری طرح سمو دیا گیا ہے۔ اسی بنا پر نئے مسائل کا حل تلاش کرنے کی غرض سے سب سے پہلے قرآنِ حکیم کی طرف رُجوع کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد سُنّتِ رسول کا نمبر آتا ہے جو قرآن ہی کی شرح و تفسیر ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:

وَمَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ: ہم نے اس کتاب میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی۔ (انعام: ۳۸)

وَکُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِیْلًا: اور ہم نے ہر چیز خُوب تفصیل سے بیان کی ہے۔ (اسراء: ۱۲)

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ: اور ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کر دی ہے۔ (روم: ۵۸)

غرض کتاب اللہ میں اہلِ اسلام کے لئے ہر دور کے مسائل و مشکلات کا حل مل سکتا ہے۔ مگر اس کے لئے کوشش اور جد و جہد ضروری ہے۔ اسی بنا پر ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ کتابِ الٰہی میں ہر دور کی فتنہ سامانیوں

---

[۱۲] بیہقی، منقول از الاتقان ۲/۱۶۷

[۱۳] الاتقان ۲/۲۰۲

سے نکلنے اور ہر دور کے شرور و آفات سے بچنے کا سامان مہیا کر دیا گیا ہے۔ اور اس بنا پر اُس کے اسرار و عجائب کی انتہا نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں :

اَمَا اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ : سَتَکُوْنُ فِتَنٌ۔ قُلْتُ وَمَا الْمَخْرَجُ مِنْھَا ؟ قَالَ کِتَابُ اللّٰہِ ، فِیْہِ نَبَأُ مَا قَبْلَکُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَکُمْ ، وَ حُکْمُ مَا بَیْنَکُمْ ، …… وَلَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ :

ہاں تو دیکھو کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ عنقریب فتنے ظاہر ہوں گے۔ میں نے پوچھا کہ ان فتنوں سے نکلنے کی سبیل کیا ہوگی ؟ تو آپ نے فرمایا کہ (اس صورت میں) اللہ کی کتاب (کو مضبوطی سے تھام لو)۔ جس میں تمہارے دور سے پہلے کے واقعات بھی ہیں اور تمہارے بعد والوں کی خبریں بھی۔ اور اُس میں تمہارے معاملات کا فیصلہ بھی موجود ہے۔ اُس کے (علمی) عجائب کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔[۱۴]

چنانچہ خلفائے راشدین، صحابۂ کرام، ائمہ کرام اور علمائے حق سب کا طرزِ عمل ہمیشہ یہی رہا ہے کہ جب کوئی نیا قضیہ پیش آئے تو اس کا حل سب سے پہلے کتابِ الٰہی میں تلاش کرنا چاہئے۔ پھر اس کے بعد سُنّتِ رسول کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ پھر اس کے بعد اجماع اور اجتہاد کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ چنانچہ اس سلسلے میں سب سے بہترین اُصول وہ ہے جو حضرت ابنِ مسعودؓ سے اس طرح منقول ہے :

فَاِذَا سُئِلْتُمْ عَنْ شَیْءٍ فَانْظُرُوْا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ ۔ فَاِنْ لَمْ تَجِدُوْہُ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ فَفِیْ سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ۔ فَاِنْ لَمْ تَجِدُوْہُ فِیْ سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَمَا اَجْمَعَ عَلَیْہِ الْمُسْلِمُوْنَ ۔ فَاِنْ لَمْ یَکُنْ فِیْمَا اَجْتَمَعَ عَلَیْہِ الْمُسْلِمُوْنَ فَاجْتَہِدْ رَاْیَکَ ، وَلَا تَقُلْ اِنِّیْ اَخَافُ وَاَخْشٰی۔ فَاِنَّ الْحَلَالَ بَیِّنٌ وَالْحَرَامَ بَیِّنٌ ۔ وَبَیْنَ ذٰلِکَ اُمُوْرٌ مُشْتَبِھَۃٌ ۔ فَدَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ :

جب تُم سے کسی چیز کے بارے میں پُوچھا جائے تو قرآن پر نظر ڈالو۔ تُم اگر اُسے قرآن میں نہ پاؤ تو حدیث میں دیکھو۔ اگر حدیث میں بھی نہ پاؤ تو مُسلمانوں کے اجماع کو دیکھو۔ اگر اجماع میں بھی وہ مسئلہ نہ ملے تو پھر اپنی رائے

---

[۱۴] ترمذی کتاب فضائل القرآن ۵/۱۷۲ (بیروت)، دارمی ۲/۴۳۵ (بیروت)

کے مطابق اجتہاد کرو۔ مگر یہ نہ کہو کہ میں تو ڈرتا ہُوں اور خدشہ محسوس کرتا ہُوں۔ کیونکہ شریعت میں حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان چند مُشتبہ چیزیں ہیں۔ تو تُم مشکوک و مُشتبہ چیزوں کو چھوڑ کر غیر مُشتبہ چیزوں کو اختیار کرو۔[۱۵]

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ حکمت میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی۔ بلکہ اسے ہر دور کی ضرورت اور ہر دور کے تقاضوں کا لحاظ کرتے ہُوئے کیل کانٹے سے پوری طرح لیس کر دیا ہے۔ مگر یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم اس عظیم اور بے مثال کتابِ حکمت سے غفلت اور بے توجہی برت رہے ہیں۔ ذہنوں کو صیقل کرنے والی اس حیرت انگیز کتاب میں غور و خوض اور تفکّر و تدبّر کر کے مسائلِ حیات کا حل تلاش کرنے کے بجائے دلوں کو زنگ آلود کئے ہُوئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِہٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ : یہ بڑی ہی بابرکت کتاب ہے جو ہم نے آپ کے پاس بھیجی ہے، تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور دانشمند (اس کے انوکھے مضامین پر) چونک سکیں۔ (محمد : ۲۴)

قرآن ہر دور کے لئے فیصلہ کُن کلام

لہٰذا مُسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ قرآنی علوم اور اُس کے مضامین میں بصیرت حاصل کریں۔ پھر کتاب اللہ میں تفکّر و تدبّر کر کے نئے مسائل کا حل تلاش کریں۔ تاکہ آج اُمتِ مُسلمہ جن فکری و تہذیبی اور تمدنی و اجتماعی مسائل و مشکلات سے دوچار ہے ان میں اس کتابِ ہدایت کی رہنمائی سے وہ محروم رہ کر موجودہ بے خدا تہذیب کا شکار نہ ہوں۔ یہ اہلِ اسلام پر ایک فرضِ کفایہ ہے۔ اگر تمام مُسلمان اس فریضے کی ادائیگی سے غافل ہو گئے تو پھر خُدا کے نزدیک سب کے سب گنہگار ہوں گے۔ لہٰذا مُسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ایک ایسی جماعت ضرور تیار کریں جو اجتہادی قوتوں کی مالک ہو اور مُسلمانوں کی دینی و دنیوی تمام مسائل میں اُن کی صحیح رہنمائی کر سکے جیسا ذیل آیتِ کریمہ میں ایک ایسی ہی جماعت تیار کرنے کا مُسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے :

وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ

---

[۱۵] سُنن نسائی کتاب آداب القضاۃ ۸/۲۳۰ (بیروت)، دارمی ۱/۶۰-۶۱

الْمُنْكَرِ : اور تم میں ایک ایسی جماعت (ضرور) ہونی چاہیے جو (عوام کو) خیر وبھلائی کی دعوت دینے
والی، معروف کا حکم کرنے والی اور منکر سے روکنے والی ہو۔ (آل عمران : ۱۰۴)

" تم میں ایک جماعت " سے مراد ظاہر ہے مسلمانوں کے اندر ایک مخصوص جماعت ہے جو دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے وقف ہوجائے۔ "خیر" "معروف" اور "منکر" کے وسیع معنی ومفہوم مراد ہیں، جن کی تشریح راقم سطور نے اپنی دیگر تصانیف میں کی ہے۔ معروف سے مراد وہ "خیر" ہو سکتا ہے جو فکری، معاشرتی اور اجتماعی معاملات میں شرعی وعقلی اعتبار سے "قابلِ تحسین" ہو۔ اسی طرح منکر سے مراد وہ "شر" ہو سکتا ہے جو مسائلِ حیات میں شرعی وعقلی اعتبار سے "مذموم" یا قبیح ہو۔ اس لحاظ سے نئے مسائل میں عقلی و شرعی نقطہ نظر سے اُن کے خیر یا شر ہونے کا حکم دریافت کرنا ہے، جو مسلمانوں کے ذمہ ایک فرضِ کفایہ ہے۔ اور یہ کام قرآنی علوم میں بصیرت حاصل کرکے اُس کے حقائق ومعارف کی روشنی میں بخوبی انجام دیا جاسکتا ہے۔

بہرحال حسب ذیل آیات سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ کتاب الٰہی کے نزول کا مقصد لوگوں کے درمیان صحیح فیصلہ کرنا اور اُن کے معاملاتِ زندگی میں اُن کی صحیح صحیح رہنمائی کرنا ہے۔ اسی بنا پر خدائی فیصلے سے اعراض کرکے غیر خدائی فیصلوں یا غیر اسلامی قوانین کو اختیار کرنا "قانونِ جاہلیت کی پیروی" قرار دیا گیا ہے۔ گویا کہ غیر خدائی فیصلے اور قوانین خدائی ہدایت کے مقابلے میں ضلالت وگمراہی کا درجہ رکھتے ہیں۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ : سب لوگ (ابتدا میں) ایک ہی دین پر تھے۔ پھر اللہ نے انبیاء کو بشارت سنانے اور متنبہ کرنے والے بنا کر بھیجا اور اُن کے ساتھ حقائق سے بھرپور کتاب نازل کی تاکہ وہ (کتاب) لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کرے۔ (بقرہ : ۲۱۳)

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ : ہم نے آپ کے پاس ایسی کتاب بھیج دی ہے جو حقیقت سے بھرپور ہے، تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اللہ کی فہمائش کے مطابق فیصلہ کرسکیں۔ (نساء : ۱۰۵)

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا ۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا

اَوْ كَفُوْرًا : (اے نبی) ہم نے ہی آپ پر یہ قرآن آہستہ آہستہ نازل کیا ہے۔ تو آپ اللہ کے فیصلے پر ڈٹے رہئے اور کسی فاسق اور منکرِ حق کے کہے میں نہ آیئے۔ (دھر : ۲۳-۲۴)

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِیَّةِ یَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ : تو کیا یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں ؟ حالانکہ یقین کرنے والوں کے لئے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہوسکتا۔ (مائدہ : ۵۰)

اس لحاظ سے اہلِ اسلام کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر دور میں اپنے تمام فکری، تہذیبی اور تمدنی و اجتماعی معاملات ومسائل میں خدائی حکم اور فیصلہ معلوم کرنے اور اُس کی اتباع کرنے کی سعی وجہد میں لگے رہیں۔

اسی بنا پر ارشاد ہے :

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ : (معاملاتِ زندگی میں) فیصلہ کرنا صرف اللہ ہی کا کام ہے۔ (لہٰذا) اُس نے حکم دیا ہے کہ تم اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ (کسی دوسرے کا کہا مت مانو) یہی سیدھا طریقہ ہے۔ (یوسف : ۴۰)

اسی بنا پر ارشادِ باری ہے :

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ : اللہ کے نزدیک (پسندیدہ) دین صرف اسلام ہے۔ (آل عمران : ۱۹)

پچھلے صفحات میں تفصیل گزر چکی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث اور آپ کے تمام فیصلوں کا ماخذ کتاب اللہ ہی ہے۔ اسی بنا پر حضرت ابنِ مسعودؓ کا دعویٰ تھا کہ میں جب تم سے کوئی حدیث بیان کروں تو اُس کی سند قرآنِ حکیم میں دکھا سکتا ہوں۔ نیز حضرت ابنِ عباسؓ کا دعویٰ تھا کہ اگر میرے اُونٹ کی ایک رسی بھی گُم ہوجائے تو میں اُس کی سند کتاب اللہ میں تلاش کرسکتا ہوں۔ اس اعتبار سے تمام علوم وفنون، تمام حقائق وواقعات، تمام مسائل ومعاملات اور ہر قسم کے واقعات کا مرجع وماویٰ اور ماخذ اصلی و حقیقی صرف کتابِ الٰہی ہے، جو باوجود اپنے اختصار کے حیرت انگیز جامعیت کی حامل ہے۔ صحابۂ کرام اس کے علوم ومعارف پر نہ صرف عبور رکھتے تھے بلکہ وہ اپنے معاملاتِ زندگی میں ان کو منطبق بھی کرتے تھے۔ اسی بنا پر ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا :

وَعِنْدَنَا كِتَابُ اللهِ، حَسْبُنَا: اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے، جو ہمارے لئے کافی ہے۔[15]

اور کتابِ الٰہی میں جب کوئی چیز تفصیل طلب ہوتی تو سنتِ نبوی کی طرف رجوع کیا جاتا۔ چنانچہ صحابۂ کرام اور خاص کر خلفائے راشدین کا معمول یہی تھا کہ جب کوئی مسئلہ کتاب و سنت سے بخوبی واضح ہو جاتا تو وہ کسی اور چیز کی طرف مطلق نظر نہیں کیا کرتے تھے۔

اِذَا وَضَحَ الْكِتَابُ أَوِ السُّنَّةُ لَمْ يَتَعَدَّوْهُ إِلَى غَيْرِهِ: جب قرآن یا حدیث کسی مسئلے پر (اچھی طرح) روشنی ڈال دیتے تو وہ کسی دوسری چیز کی طرف توجہ نہیں کیا کرتے تھے۔[16]

کتابِ الٰہی کا یہی وہ مقام و مرتبہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے اس کی شان میں ارشاد فرمایا:

وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ، كِتَابَ اللهِ: میں نے تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو تم ہرگز گمراہ نہ ہو سکو گے، یعنی اللہ کی کتاب۔[17]

ایک دوسری حدیث میں قرآن حکیم کے ساتھ حدیثِ نبوی کا بھی تذکرہ ہے، جو مذکورۂ بالا تفصیل کے مطابق دراصل قرآن کے مبہم اور مجمل بیانات کی شرح و تفسیر ہے۔

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ، لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا، كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ: میں نے تم لوگوں میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم ان دونوں کو تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو سکو گے۔ ایک کتاب اللہ اور دوسرے اُس کے نبی کی سنت۔[18]

---

[15] بخاری کتاب العلم ۱/۳۷، مطبوعہ استانبول۔
[16] بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ۱۶۲/۸
[17] مسلم کتاب الحج، ۲/۸۹۰، مطبوعہ ریاض۔
[18] موطا امام مالک، کتاب القدر ۲/۸۹۹، عیسی البابی الحلبی، ۱۳۷۰ھ

اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

فَإِنَّ خَيْرَ الْأُمُورِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ: سب سے بہترین چیز (کلام) اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہترین طریقہ محمد (صلعم) کا طریقہ ہے۔[19]

قرآن کے عجائب کبھی ختم نہیں ہو سکتے

یہ ہے قرآنِ مجید کا صحیح مقام و مرتبہ اور اسلام میں اس کی اہمیت و افادیت۔ واقعہ یہ ہے کہ اس جیسی جامع اور بے مثال کتابِ ہدایت کا نظارہ چشمِ فلک نے کبھی نہیں کیا ہے۔ اسی بنا پر اس کی تلاوت، اس کی تعلیم و تدریس اور اس کی نشر و اشاعت کی دین میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔ چودہ سو سال کے دوران مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں اس کتابِ ہدایت کو ہمیشہ بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس کی جتنی تفسیریں لکھی گئیں اور اس کے علوم و معارف پر جن جن حیثیتوں سے کام کیا گیا اتنا دنیا کی کسی بھی دوسری کتاب پر نہیں ہو سکا ہے۔ مگر پھر بھی اس کے حقائق و معارف کا اختتام نہیں ہوا ہے۔ بلکہ دن بدن اس کے نئے نئے اسرار و معارف برابر منظرِ عام پر آ رہے ہیں، جو حدیثِ نبوی "لَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ" (اُس کے اسرار و عجائب کبھی ختم نہ ہو سکیں گے) کا ایک حیرت انگیز نظارہ ہے۔ یہ حدیث دراصل حسبِ ذیل آیتِ کریمہ کی شرح معلوم ہوتی ہے:

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا: کہہ دو کہ میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر بھی اگر سیاہی بن جائے تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے ہی سمندر ختم ہو جائے گا اگرچہ ہم اُس کی مدد کے لئے ویسا ہی ایک اور سمندر لے آئیں۔ (کہف: ۱۰۹)

قرآن کا حق یہ ہے کہ اُسے سمجھا جائے

بہرحال اس کتاب کا پڑھنا اور اس کی تلاوت کرنا بھی اگرچہ باعثِ ثواب ہے، مگر اس کتابِ ہدایت کی صحیح قدر دانی یہ ہے کہ ہر شخص اس کے معانی و مطالب کو سمجھنے اور اس کے مضامین پر غور کرنے کی کوشش کرے، اگرچہ وہ عالم نہ ہو۔ کسی شخص کی علمی استعداد خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو مگر اُسے قرآنِ حکیم میں اپنے ظرف کے

---

[19] ابن ماجہ مقدمہ، ۱/۱۷، دار الفکر، بیروت۔

مطابق غور و فکر کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے، ورنہ ہماری زندگی میں کوئی انقلاب نہیں آسکتا۔ اگر ہر شخص یہ تصوّر کرلے کہ قرآن مجید کو سمجھنا اور اس میں تفکّر و تدبّر کرنا صرف علماء ہی کا کام ہے تو یہ بات بالکل غلط اور علم کی حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ ہر مسلمان کو بقدرِ ضرورت دین کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور علم دین میں قرآن کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ دین کا دار و مدار اسی کتاب اور اس کی تعلیم و تفہیم پر ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص اصطلاحی معنی میں عالم بن جائے مگر ہر شخص کی کوشش یہی ہونی چاہئے کہ وہ علمی اعتبار سے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو۔ کیونکہ دین میں علم سے بڑا مقام و مرتبہ دوسری کسی بھی چیز کا نہیں ہے۔ لہٰذا اس میدان میں ہر شخص کو مسابقت کرنی چاہئے۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی باصلاحیت شخص کو ہدایت دے دے اور وہ بہترین عالم بن کر دین وقت کے بازو مضبوط کرے۔ چنانچہ علم دین پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک ایسا عطیۂ الٰہی ہے کہ جو بھی شخص اس راہ میں آگے بڑھ کر جد و جہد کرے گا وہ اسے پالے گا۔

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ : اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اُسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔[۲۰]

حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ اَنْ يَّكُوْنَ فَقِيْهًا : قرآن پڑھنے والے ہر شخص پر یہ حق عائد ہوتا ہے کہ وہ اس میں سمجھ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔[۲۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے بہترین شخص کون ہے تو آپ نے فرمایا :

اَفْقَهُهُمْ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ : وہ جو اللہ کے دین میں سب سے زیادہ سمجھ دار ہو۔[۲۲]

اور حضرت ابن عباسؓ نے آیتِ قرآنی "كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ" (تم اللہ والے بن جاؤ) کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد علماء اور فقہاء ہیں۔[۲۳]

---

۲۰ بخاری کتاب العلم ۱/۲۶، مسلم کتاب الزکاۃ ۲/۷۱۹، ترمذی کتاب العلم ۵/۲۸، ابن ماجہ مقدمہ ۱/۸۰، دارمی ۱/۷۴، مسند احمد ۱/۳۰۶، ابن حبان ۱/۲۵۵

۲۱ دارمی ۱/۹۵

۲۲ مسند احمد ۶/۶۸

۲۳ بخاری ۱/۲۵

قرآن کی فضیلت و اہمیت

چونکہ کتابِ الٰہی مسلمانوں کی دینی و اجتماعی زندگی میں بنیادی نوعیت کی حامل ہے، اس لئے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پڑھنے اور سمجھنے اور اس کی تعلیم و تدریس کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے اور مختلف حیثیتوں سے اس کی فضیلت و اہمیت بیان کی ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اِنَّ الَّذِيْ لَيْسَ فِيْ جَوْفِهٖ شَيْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے سینے میں قرآن کا کوئی حصہ نہ ہو وہ ایک اُجاڑ گھر کی طرح ہے۔[۲۴]

(عَنِ النَّبِيِّ صلعم قَالَ) مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ كَمَثَلِ الْاُتْرُجَّةِ، طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيْحُهَا طَيِّبٌ. وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِيْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيْحَ لَهَا. وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ، رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ. وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِيْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ، كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ، طَعْمُهَا مُرٌّ وَلَا رِيْحَ لَهَا:

مومن کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے تُرنج[۲۵] کی طرح ہے جس کا ذائقہ بھی اچھا اور خوشبو بھی اچھی ہوتی ہے اور اُس مومن کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا کھجور کی طرح ہے جس کا ذائقہ تو اچھا ہے مگر اُس کی کوئی خوشبو نہیں ہے۔ منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے اُس خوشبودار پودے کی طرح ہے جس کی خوشبو تو اچھی ہو مگر وہ ذائقہ میں کڑوا ہو۔ اور اُس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا اندرائن کے پھل کی طرح ہے جو نہ صرف بدمزہ ہے بلکہ اُس کی کوئی بُو باس بھی نہیں ہے۔[۲۶]

صحیح ابن حبان میں یہ حدیث ایک دوسرے اُسلوب میں اس طرح موجود ہے :

---

۲۴ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، ۵/۱۷۷

۲۵ ایک قسم کا بڑا لیموں

۲۶ سنن ابن ماجہ ۱/۷۷، دارمی ۲/۴۳۲، مسند احمد ۴/۳۹۷، بخاری باب فضل القرآن علی سائر الکلام ۶/۱۰۷، مسلم ۱/۵۴۹، ابوداؤد ۵/۱۶۶، ترمذی ۵/۱۵۰، نسائی ۸/۱۲۵

مَثَلُ مَنْ أُعْطِيَ الْقُرْآنَ وَالْإِيمَانَ كَمَثَلِ الْأُتْرُجَّةِ طَيِّبُ الطَّعْمِ طَيِّبُ الرِّيحِ ۔ وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يُعْطَ الْقُرْآنَ وَلَمْ يُعْطَ الْإِيمَانَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ مُرَّةِ الطَّعْمِ ، لَا رِيحَ لَهَا ، وَمَثَلُ مَنْ أُعْطِيَ الْإِيمَانَ وَلَمْ يُعْطَ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ طَيِّبَةِ الطَّعْمِ وَلَا رِيحَ لَهَا ۔ وَمَثَلُ مَنْ أُعْطِيَ الْقُرْآنَ وَلَمْ يُعْطَ الْإِيمَانَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ مُرَّةِ الطَّعْمِ ، طَيِّبَةِ الرِّيحِ :

جس شخص کو قرآن اور ایمان دونوں دئے گئے ہیں اُس کی مثال تُرنج جیسی ہے، جس کا ذائقہ اور خوشبو دونوں اچھے ہیں۔ اور جس شخص کو نہ تو قرآن دیا گیا ہے اور نہ ایمان اُس کی مثال اندرائن کے پھل کی طرح ہے جس کا ذائقہ کڑوا ہے اور اُس کی کوئی خوشبو نہیں ہے۔ جس کو صرف ایمان سے نوازا گیا ہے مگر قرآن سے نہیں تو اُس کی مثال اُس (خشک) کھجور کی سی ہے جس کا مزہ تو اچھا ہے مگر وہ بُو باس سے محروم ہے۔ اور اُس شخص کی مثال جس کو صرف قرآن دیا گیا ہے مگر وہ ایمان سے محروم ہے تو وہ ایسے خوشبودار پودے (یا پھل) کی طرح ہے جس کی خوشبو تو اچھی ہے مگر وہ ذائقہ میں تلخ ہے۔[27]

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ مَأْدُبَةُ اللّٰهِ ، فَتَعَلَّمُوا مِنْ مَأْدُبَتِهِ مَا اسْتَطَعْتُمْ ، إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ حَبْلُ اللّٰهِ ، وَالنُّورُ وَالشِّفَاءُ النَّافِعُ ، عِصْمَةٌ لِمَنْ تَمَسَّكَ بِهِ ، وَنَجَاةٌ لِمَنِ اتَّبَعَهُ ، لَا يَزِيغُ فَيَسْتَعْتِبُ ، وَلَا يَعْوَجُّ فَيُقَوَّمُ ، وَلَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ ، وَلَا يَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ ۔ فَاتْلُوهُ فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْجُرُكُمْ عَلَى تِلَاوَتِهِ بِكُلِّ حَرْفٍ عَشْرَ حَسَنَاتٍ ، أَمَا إِنِّي لَا أَقُولُ الم ، وَلٰكِنْ بِأَلِفٍ وَلَامٍ وَمِيمٍ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی ضیافت ہے۔ لہٰذا تم اس کی ضیافت سے جتنا چاہو سیکھ لو (اور فائدہ اُٹھالو)۔ یہ قرآن بلاشبہ اللہ کی رسّی، روشنی اور شفاء ہے۔ وہ ہر اُس شخص کے لئے حفاظت ہے جو اُسے تھام لے۔ اور ہر اُس شخص کی نجات ہے جو اُس کی پیروی کرے۔ وہ (اپنے معانی و مطالب کے اعتبار سے کبھی) ٹیڑھا نہیں ہو سکتا کہ وہ (اپنے پڑھنے والے کی) رضامندی طلب کرے۔ اور نہ وہ (راہِ حق سے) منحرف ہو سکتا ہے کہ اُسے درست کرنے کی ضرورت پیش آجائے۔ (یعنی اس کے

[27] صحیح ابن حبان ۱/۲۸۲، مرتبہ امیر علاء الدین، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، بتعلیق شُعیب ارنؤوط۔

مضامین و مندرجات میں کبھی کسی قسم کی تحریف یا تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اُس کے معانی و مطالب کا اعجاز ہر دور میں ظاہر ہوتا رہے گا۔ اور اس اعتبار سے) اُس کے عجائب کبھی ختم نہ ہو سکیں گے۔ وہ کثرتِ تلاوت کے باوجود پُرانا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا تم اس کی تلاوت کرتے رہو۔ اللہ اُس کے ہر حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں عطا کرے گا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے۔ بلکہ الف، لام اور میم (تین حروف ہیں)۔[28]

قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : إِنَّ هٰذَا الصِّرَاطَ مُحْتَضَرٌ ، تَحْضُرُهُ الشَّيَاطِينُ ، يُنَادُونَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ هٰذَا الطَّرِيقُ ، فَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ ، فَإِنَّ حَبْلَ اللّٰهِ الْقُرْآنُ : حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ (دین کے) اس راستے پر (شب خون مارنے والے) شیاطین (انسانوں کے بھیس میں) حاضر رہتے ہیں۔ جو (ہر ایک کو) پکارتے رہتے ہیں کہ اے اللہ کے بندے! راستہ یہ ہے!! تو ایسی صورت میں اللہ کی رسی کو تھام لے۔ اور اللہ کی رسی قرآن ہے۔[29]

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَيْسَ مِنْ مُؤَدِّبٍ إِلَّا وَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى أَدَبُهُ ، وَإِنَّ أَدَبَ اللّٰهِ الْقُرْآنُ : حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ادب حاصل کرنے والا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو ادب سکھائے جانے کا شائق نہ ہو۔ اور اللہ (کی طرف سے عطا کردہ بہترین) ادب قرآن ہے۔[30]

كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَقُولُ : إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ مَأْدُبَةُ اللّٰهِ ، فَمَنْ دَخَلَ فِيهِ فَهُوَ آمِنٌ :
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ یہ قرآن اللہ کی دعوت ہے، جو اس میں داخل ہو گیا وہ محفوظ ہو گیا۔[31]

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ لِلّٰهِ أَهْلِينَ مِنَ النَّاسِ ، قِيلَ مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ قَالَ أَهْلُ الْقُرْآنِ : رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ بعض لوگ اللہ والے ہوتے ہیں۔ تو آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ قرآن والے۔[32]

[28] سنن دارمی کتاب فضائل القرآن، ۲/۴۳۱
[29] ایضاً ۲/۴۳۲
[30] ایضاً ۲/۴۳۳
[31] و [32] ایضاً ۲/۴۳۳، نیز ابن ماجہ ۱/۷۸، مستدرک حاکم ۱/۵۵۶

فَاِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ سَبَبٌ طَرَفُهٗ بِيَدِ اللّٰهِ وَطَرَفُهٗ بِاَيْدِيْكُمْ ، فَتَمَسَّكُوْا بِهٖ ، فَاِنَّكُمْ لَنْ تَضِلُّوْا وَلَنْ تَهْلِكُوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قرآن ایک رسی ہے جس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اُس کا دوسرا سرا تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تو تم اسے مضبوطی سے پکڑ لو۔ کیونکہ تم اس کے بعد نہ تو گمراہ ہوگے اور نہ کبھی ہلاک ہوگے۔[33]

اِنِّیْ تَارِكٌ فِيْكُمْ كِتَابَ اللّٰهِ ، هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ ۔ مَنِ اتَّبَعَهٗ كَانَ عَلَى الْهُدٰى ۔ وَمَنْ تَرَكَهٗ كَانَ عَلَى الضَّلَالَةِ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم میں اللہ کی کتاب چھوڑی ہے جو اللہ کی رسی ہے۔ جس نے اُس کی اتباع کی وہ ہدایت پا گیا اور جس نے اُسے ترک کر دیا تو وہ گمراہی پر چل پڑا۔[34]

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اَلْقُرْاٰنُ مُشَفَّعٌ ، مَنْ جَعَلَهٗ اِمَامَهٗ قَادَهٗ اِلَى الْجَنَّةِ ، وَمَنْ جَعَلَهٗ خَلْفَ ظَهْرِهٖ سَاقَهٗ اِلَى النَّارِ : حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ (قیامت کے دن) قرآن کی شفاعت قبول کی جائے گی (جو اُس کی اتباع کرنے والوں کی شفاعت کرے گا)۔ تو جس نے قرآن کو اپنا امام بنایا تو وہ اسے جنت کی طرف لے جائے گا۔ اور جس نے اسے پیٹھ پیچھے ڈال دیا تو وہ اُسے دوزخ کی طرف کھینچے گا۔[35]

عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ : قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ لَاَنْ تَغْدُوَ فَتَعَلَّمَ اٰيَةً مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ تُصَلِّيَ مِائَةَ رَكْعَةٍ : حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اے ابوذر! تم (ہر دن) صبح کے وقت قرآن کی ایک آیت کا علم حاصل کرو تو یہ بات تمہارے لئے سو رکعت نماز (نفل) پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے۔[36]

مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ وَحَفِظَهٗ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهٗ فِيْ عَشَرَةٍ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ ،

---

[33] صحیح ابن حبان ۱/۲۸۵ ، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۔
[34] ایضاً ۱/۲۸۶
[35] ایضاً
[36] سنن ابن ماجہ ۱/۷۹

كُلُّهُمْ قَدِ اسْتَوْجَبَ النَّارَ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے قرآن پڑھا اور اُسے یاد کر لیا تو اللہ اُسے جنت میں داخل کرے گا اور اُس کے گھر والوں میں سے ایسے دس آدمیوں کی شفاعت کرنے کا اُسے حقدار بنائے گا۔ اور وہ سب ایسے لوگ ہوں گے جن کے حق میں دوزخ واجب ہو گئی ہو۔[37]

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ وَاسْتَظْهَرَهٗ ، فَاَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهٗ فِيْ عَشَرَةٍ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ ، كُلُّهُمْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ :

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس نے قرآن پڑھا اور اُسے حفظ کر لیا، پھر اُس کے حلال کو حلال کیا اور اُس کے حرام کو حرام کیا تو اللہ تعالیٰ اُسے جنت میں داخل کرے گا اور اُسے اُس کے گھر والوں میں سے دس آدمیوں کی شفاعت کا حق دے گا جن کے لئے دوزخ واجب ہو چکی ہو۔[38]

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَا اٰمَنَ بِالْقُرْاٰنِ مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَهٗ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس شخص کا قرآن پر ایمان نہیں ہے جو اُس کی حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دیتا ہو۔[39]

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ ، فَاِنَّهٗ يَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعًا لِاَصْحَابِهٖ : رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تم قرآن کا علم حاصل کرو، وہ قیامت کے دن اپنے حاملین کے لئے شفاعت کرنے والا بن کر آئے گا۔[40]

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ وَاقْتَنُوْهُ ، فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَهُوَ اَشَدُّ تَفَقِّيًا مِّنَ الْمَخَاضِ فِي الْعُقُلِ : رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قرآن کا علم حاصل کرو

---

[37] سنن ابن ماجہ ۱/۷۸
[38] جامع ترمذی ۵/۱۷۱
[39] ترمذی کتاب فضائل القرآن ۵/۱۸۰ ، بیروت ۔
[40] صحیح ابن حبان ۱/۲۷۹ ، مسند احمد ۵/۲۴۹ ، مستدرک حاکم ۱/۵۶۳

اور اس کے ساتھ خصوصی تعلق رکھو۔ کیونکہ اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے قرآن (لوگوں کے دلوں سے) اُس سے زیادہ تیزی سے نکل جاتا ہے جس طرح کہ اونٹ اپنی رسی سے نکل جاتا ہے۔[41]

قرآن کے اسرار و معارف کا علم

مذکورۂ بالا احادیث سے قرآن مجید کی عظمت اور دینی و شرعی اعتبار سے اُس کی اہمیت و افادیت بخوبی ظاہر ہو گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن حکیم ہمارے لیے صرف دینی و شرعی اعتبار ہی سے ہادی و رہنما نہیں بلکہ وہ فکری و تمدنی اور اجتماعی مسائل و معاملات میں بھی ہمارے لیے ایک بے مثال ہادی اور رہنما ہے۔ وہ ہر اعتبار سے ایک مکمل اور بے عیب کتاب ہے جو اس پر ایمان رکھنے والی ملت کی صحیح رہنمائی کی غرض سے نازل کیا گیا ہے۔

بہر حال یوں تو قرآن مجید کی مجرد تلاوت بھی اگرچہ ثواب سے خالی نہیں ہے، مگر اس کا صحیح حق یہ ہے کہ اسے سمجھ کر پڑھا جائے اور اُس کے معانی و مطالب پر غور کیا جائے، جیسا کہ تفصیلات گزر چکیں۔ قرآن کو ہادی اور رہنما بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مضامین میں تفکّر و تدبّر کر کے ان کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل کا حل نکالا جائے اور اسے اپنی زندگی پر منطبق کرنے کی کوشش کی جائے۔ لہٰذا قرآن سے مسائل اخذ کرنے کی اولین شرط یہ ہے کہ قرآن کا صحیح فہم حاصل کیا جائے۔ اسی کا نام "حکمت" ہے، جو مسائلِ حیات کو حل کرنے کی راہ میں چابی کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے:

عَنْ اِبْرَاهِيْمَ [وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا] قَالَ الْفَهْمُ بِالْقُرْآنِ: ابراہیم سے مروی ہے کہ آیتِ کریمہ "اور جس کو حکمت عطا کی گئی پس اُسے بہت زیادہ خیر دیا جا چکا" سے مراد قرآن کا فہم ہے۔[42]

عن مجاهد [يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ] قَالَ الْكِتَابَ، يُؤْتِيْ اِصَابَتَهُ مَنْ يَّشَاءُ: مجاہد سے مروی ہے کہ آیتِ کریمہ "اللہ جسے چاہتا ہے حکمت سے نوازتا ہے" سے مراد کتاب (الٰہی) ہے۔ چنانچہ وہ جسے چاہتا ہے اس کا صحیح (فہم و ذوق) عطا کرتا ہے۔[43]

---

[41] صحیح ابن حبان ١/٢٨٢، دارمی ٢/٤٣٩، مسند احمد ٤/١٥٠

[42] و [43] سُنن دارمی، کتاب فضائل القرآن، ٢/٤٣٦

واقعہ یہ ہے کہ قرآنِ حکیم حقائق و معارف سے لبریز ایک ایسا بحرِ زخار ہے جس کے معانی و مطالب کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ اس میں جتنا زیادہ غور کیا جائے اس کے اسرار و معارف اسی قدر کھلتے چلے جاتے ہیں۔ ایک عامی کو وہ بالکل سیدھا سادہ نظر آتا ہے مگر ایک عالم کے سامنے وہ حقائق کا ایک بحرِ بے کراں ہے اور پھر علم میں جتنی زیادہ وسعت ہوتی جائے اُس کے معانی میں بھی اتنی ہی زیادہ گہرائی پیدا ہوتی جائے گی۔ اور یہ چیز ایک خدائی کلام ہی کا خاصہ ہو سکتی ہے۔ کسی انسانی کلام میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

اس اعتبار سے قرآنِ حکیم ایک سادہ اور غیر پیچیدہ کلام ہونے کے باوجود — جس کے معانی و مطالب کو سمجھنے اور اس کے حلال و حرام کا حال جاننے میں ایک عامی کو کوئی دِقّت نہیں ہو سکتی — ایسے اسرار و معارف پر بھی مشتمل ہے جو اس میں گہرے غور و خوض اور تفکّر و تدبّر کی بنا پر واضح ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض احادیث میں "ہر آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہوتا ہے" کی جو بات کہی گئی ہے اُس سے مُراد غالباً یہی "علم الحقائق" ہے۔ چنانچہ محدث ابنِ حبان نے اس سلسلے میں ایک صحیح حدیث اس طرح روایت کی ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ، لِكُلِّ آيَةٍ مِنْهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ: حضرت ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قرآن سات حرفوں (قراءتوں) پر نازل کیا گیا ہے۔ اور (قرآن کی) ہر آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے۔[44]

ظاہر و باطن سے کیا مُراد ہے؟ تو اس کی تفسیر میں علمائے سلف کا اختلاف ہے، جیسا کہ امام بغوی نے شرح السنۃ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً:

١۔ ظاہر سے مراد قرآنی الفاظ ہیں اور باطن سے مراد ان کی تاویل ہے۔

٢۔ ظاہر سے مراد نازمان قوموں کی ہلاکت کا تذکرہ ہے اور باطن سے مراد وہ اسباق و بصائر ہیں جو

---

[44] صحیح ابن حبان ١/٢٤٣، موسسۃ الرسالۃ بیروت۔ اس حدیث کی اسناد قوی ہے جیسا کہ حافظ نورالدین ہیثمی نے مجمع الزوائد (٧/١٥٢) میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے مقابلے میں طبری (١/٢٢) کی روایت ضعیف ہے جو کچھ الفاظ کے تغیر کے ساتھ مروی ہے۔ دیکھئے حاشیہ بر شرح السنۃ ١/٢٦٣ (از شعیب ارناؤوط)

ان تذکروں سے ہمیں حاصل ہوتے ہیں۔

۳۔ ظاہر سے مُراد وہ مفہوم ہے جس پر ایمان لانا واجب ہے اور باطن سے مُراد اس پر عمل درآمد ہے۔ اور اس اعتبار سے قرآن کی ایسی کوئی آیت موجود نہیں ہے جو ان دو باتوں کی جامع نہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن امر و نہی، وعدہ و وعید، مواعظ و امثال، اور جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے ان تمام باتوں کی خبروں پر مشتمل ہے۔ لہٰذا ان تمام باتوں پر ایمان رکھنا، ان کی تصدیق کرنا اور ان پر عمل کرنا واجب ہے۔ خلاصہ یہ کہ قرآن کے حکم کی اتباع کی جائے، اس کی منع کردہ چیز سے اجتناب کیا جائے، اُس کے وعید سے خوف کیا جائے، اُس کے مواعظ سے نصیحت پکڑی جائے اور اس کی مثالوں سے عبرت حاصل کی جائے۔

۴۔ ظاہر سے مراد قرآنی آیات کی تلاوت اور باطن سے مراد قرآن کا فہم اور اس کے مطالب میں تفکر و تدبر ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ[45]: یہ بڑی ہی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے آپ کے پاس بھیجی ہے، تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور دانش مند (اس کے مضامین کو دیکھ کر) متنبہ ہوسکیں۔ (ص: ۲۹)

ظاہر و باطن کے مفہوم میں یہ سب باتیں داخل ہوسکتی ہیں اور ان میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ بہرحال قرآن کے حقائق اور اُس کے اسرار و معارف کا علم خداوندِ کریم کا ایک خصوصی عطیہ ہے جو پختہ کار علماء کو قرآنِ حکیم کے گہرے مطالعہ کی بنا پر حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے:

(عن علی) عِلْمُ الْبَاطِنِ سِرٌّ مِنْ اَسْرَارِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَحُكْمٌ مِنْ حُكْمِ اللهِ يَقْذِفُهُ فِي قُلُوْبِ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادِهٖ: باطن کا علم اللہ تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید اور اُس کے حکموں میں سے ایک حکم ہے جس کو وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اُس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔[46]

یہ خصوصی علم خال خال افراد اور خال خال اشخاص ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ اور اس میں تمام علماء

---

[45] شرح السنہ از امام بغوی ۱/۲۶۳ - ۲۶۴، المکتب الاسلامی، ۱۳۹۰ھ

[46] مسند فردوس، منقول از کنز العمال ۱۰/۹۰

برابر برابر نہیں ہوسکتے۔ بلکہ چند گِنے چُنے اہلِ علم ہی اس کے حامل ہوسکتے ہیں۔ جیسا کہ حسبِ ذیل احادیث سے اس مسئلے پر روشنی پڑتی ہے:

مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ۔ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللهُ يُعْطِيْ۔ وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْاُمَّةُ قَائِمَةً عَلٰى اَمْرِ اللهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُ اللهِ: اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اُسے دین کی (خصوصی) سمجھ عطا کرتا ہے۔ میں تو (اس علم کو سب لوگوں کے درمیان برابر برابر) تقسیم کرنے والا ہوں (یعنی اللہ کی بات سب تک برابر پہنچا رہا ہوں مگر اس معاملے میں خصوصی سمجھ صرف) اللہ ہی عطا کرتا ہے۔ (بعض لوگوں کی اس خصوصی سمجھ کی بدولت جو ہر دور میں چند مخصوص بندوں کو عطا کی جاتی ہے) یہ اُمت اللہ کے دین پر ہمیشہ قائم رہے گی۔ اور اُن کے مخالفین اُن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ قیامت آجائے۔[47]

فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ۔ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيْهٍ: کتنے ہی حاملِ علم ایسے ہوتے ہیں جن سے دوسرے زیادہ سمجھ دار ہوتے ہیں، جن تک علم کی بات پہنچائی جاتی ہے۔ اور کتنے ہی حاملِ علم ایسے ہوتے ہیں جو دین کی سمجھ نہیں رکھتے (بلکہ وہ ایک حافظ کی طرح محض مسائل کو رٹ لیتے ہیں اور صحیح سمجھ سے محروم ہوتے ہیں)۔[48]

لَا حَسَدَ اِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ اٰتَاهُ اللهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلٰى هَلَكَتِهٖ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ اٰتَاهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِيْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو ہی افراد ایسے ہیں، جن پر رشک کیا جاسکتا ہے: ایک وہ شخص ہے جس کو اللہ نے کچھ مال دیا ہے، پھر اُسے اچھے کاموں میں خرچ کرنے پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص ہے جسے اللہ نے حکمت و دانائی کی بات عطا کی ہے جس کے مطابق وہ فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اُس کی تعلیم دیتا ہے۔[49]

---

[47] بخاری ۱/۲۶، مسلم ۲/۷۱۹، مسند احمد ۴/۱۰۱، ترمذی ۵/۲۸، ابن ماجہ ۱/۸۰، ابن حبان ۱/۲۵۵، دارمی ۱/۷۴

[48] ابوداؤد ۴/۶۹، ترمذی ۵/۳۴، ابن ماجہ ۱/۸۵

[49] بخاری ۱/۲۶، مسلم ۱/۵۵۹، صحیح ابن حبان ۱/۲۵۶

اس اعتبار سے ہر دور میں دین کی خصوصی سمجھ رکھنے اور قرآن کے حقائق و معارف کا استنباط کرنے والے علماء کا موجود رہنا ضروری ہے، جو کتاب اللہ پر گہری بصیرت رکھنے والے اور عصری مسائل سے بخوبی واقف ہوں، ورنہ اُمت عصری فتنوں اور نئے ادوار کی آفتوں سے نجات نہیں پا سکتی۔ اور اس قسم کے علماء کی تیاری اُمت کے ذمہ ایک فرضِ کفایہ ہے۔ اگر اُمت کے تمام افراد اس فرضِ کفایہ کی ادائیگی سے غافل رہ گئے تو پھر سب کے سب گنہگار ہو جائیں گے۔

محکمات و متشابہات

اُوپر "ظاہر و باطن" کے تعلق سے جو کچھ عرض کیا گیا وہ قرآن اور حدیث کی تعلیمات کی رُو سے ایک صحیح مفہوم ہے۔ مگر بعض بدعتی اور گمراہ لوگ ظاہر و باطن سے کچھ اور مفہوم مُراد لیتے ہوئے دین و شریعت میں رخنہ اندازی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اسلام میں خاص کر ایک فرقہ اہلِ باطن یا "باطنیہ" کے نام سے مشہور رہا ہے، جو دین و شریعت کو "علمِ ظاہر" قرار دیتے ہوئے "علمِ باطن" سے ایسا علم مُراد لیتا ہے جو اُس کے فاسد اغراض و مقاصد کی تائید کرنے والا ہو۔ مگر اس علم کا قرآن کے الفاظ و معانی سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ بے سروپا تاویلات کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے دین میں مذموم ہے۔ اور اس قسم کی غلط تاویلات کرنے والوں کا بیان پچھلے صفحات میں "گمراہ ائمہ" کے ذیل میں ہو چکا ہے۔

بہرحال اس سلسلے میں یہ قاعدہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ "قرآن کے باطن" سے مراد صرف وہی حقائق و معارف ہو سکتے ہیں جو قرآنی الفاظ و معانی میں گہری بصیرت کے باعث حاصل ہوتے ہوں اور وہ قرآن کے ظاہری نصوص سے مُتصادم نہ ہوں۔ بالفاظِ دیگر ایسے معانی و مطالب جو قرآن کے الفاظ اور اُس کے ظاہری نصوص کے خلاف ہوں وہ خلافِ قرآن اور خلافِ دین ہیں۔ فہمِ قرآن صحیح معنی میں اُس کے نصوص کے تابع ہے۔[۵۰] لہٰذا صحیح فہمِ قرآن کے لئے نصوص کا علم ضروری ہے۔ غرض ایسا کوئی علمی نکتہ نہیں ہو سکتا جو "نصوص" سے باہر ہو۔ ورنہ وہ ایک بے سروپا تاویل ہوگی جو علمی اعتبار سے بالکل مردود ہوگی۔

[۵۰] چنانچہ "اُصولِ فقہ" کی اصطلاح کے مطابق "نصوص" کی چار قسمیں ہیں: عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص۔ اور کسی بھی عبارت کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے ان سے واقفیت ضروری ہے۔ اس اعتبار سے یہ نصوص فہمِ قرآن کی چابی ہیں۔

واضح ہو کہ قرآن حکیم میں دو قسم کی آیات موجود ہیں، جو محکمات اور متشابہات کہلاتی ہیں۔ محکمات سے مراد قرآن حکیم کے وہ قطعی اور واضح بیانات ہیں، جن میں کسی قسم کی تاویل نہ ہو سکتی ہو۔ اور متشابہات سے مراد وہ بیانات ہیں جن کے معنی و مفہوم میں کچھ ابہام ہو اور اُن کی مُراد واضح نہ ہو۔ تو دین و شریعت کا دار و مدار محکمات پر ہے اور متشابہات پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ لیکن گمراہ اور فتنہ پرور لوگ دین میں رخنہ اندازی کرنے اور اہلِ ایمان کے درمیان شکوک و شبہات پیدا کرنے کی غرض سے متشابہ آیات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، جن کے معانی و مطالب واضح نہیں ہوتے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ
فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ
وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ
وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۔

وہی ہے جس نے (اے محمد) آپ پر یہ کتاب نازل کی۔ اس میں بعض آیتیں محکم (واضح معنی پر دلالت کرنے والی) ہیں اور وہ کتاب کی اصل ہیں۔ اور کچھ متشابہ ہیں۔ (جن کی وضاحت ناکافی ہے)۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ پن ہے وہ فتنہ برپا کرنے کی غرض سے اور مطلب کی جستجو میں متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کا مطلب سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور علم میں پختگی رکھنے والوں (کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ) وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے۔ یہ (محکمات و متشابہات) سب کچھ ہمارے رب ہی کی جانب سے ہیں۔ اور (اس باب میں) دانشمند لوگ ہی مُتنبہ ہو سکتے ہیں۔ (آل عمران: ۷)

قرآن مجید میں محکمات کے ساتھ ساتھ متشابہات کیوں موجود ہیں اور اس باب میں حکمتِ الٰہی کیا ہے؟ یہ تو ایک الگ بحث ہے جو اس وقت موضوع سے خارج ہے۔[۵۱] مگر اس وقت اتنا ضرور سمجھ لینا چاہیے کہ متشابہات کا تعلق دین و شریعت یا انسان کی عملی زندگی سے بالکل نہیں ہے۔ بلکہ ہماری عملی زندگی کا دار و مدار محکمات پر مبنی ہے، جیسا کہ حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے:

[۵۱] اس پر کچھ تفصیلی بحث کے لئے راقم سطور کی کتاب "تخلیقِ آدم" دیکھنی چاہیے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: اَلْمُحْكَمَاتُ نَاسِخُهٗ وَحَلَالُهٗ وَحَرَامُهٗ وَحُدُوْدُهٗ وَفَرَائِضُهٗ وَمَا يُؤْمَنُ بِهٖ وَيُعْمَلُ بِهٖ. وَالْمُتَشَابِهَاتُ مَنْسُوْخُهٗ وَمُقَدَّمُهٗ وَمُؤَخَّرُهٗ وَاَمْثَالُهٗ وَاَقْسَامُهٗ، وَمَا يُؤْمَنُ بِهٖ وَلَا يُعْمَلُ بِهٖ.

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ محکمات سے مراد قرآن کے ناسخ شدہ احکام، اُس کے حلال اور حرام کردہ امور، اُس کے حدود و فرائض اور وہ تمام چیزیں ہیں جن پر ایمان لایا جاتا ہے اور ان پر عمل کیا جاتا ہے۔ اور متشابہات سے مراد اُس کے منسوخ شدہ احکام، اس کے مقدم و مؤخر مضامین کا علم، اُس کے امثال و اقسام اور وہ تمام چیزیں ہیں جن پر ایمان لایا جاتا ہے مگر ان پر عمل نہیں کیا جاتا۔[۵۲]

اس اعتبار سے محکمات اور متشابہات کے حدود اور ان کا دائرہ بالکل الگ ہے اور متشابہات کی موجودگی سے ہماری عملی زندگی متاثر نہیں ہوتی۔ مگر گمراہ اور بددین لوگ سادہ لوح مسلمانوں کو بہکانے اور فتنہ برپا کرنے کی غرض سے ہمیشہ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، جن سے بچنا ضروری ہے۔ اور انہی لوگوں میں اُن گمراہ صوفیا کا بھی شمار ہوتا ہے جو متشابہات کی تاویل میں لگ کر دین و شریعت کو مہمل اور غیر ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذمت فرمائی ہے۔

عَنِ الْقَاسِمِ ابْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْآيَةَ هُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ ...... قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ سَمَّى اللّٰهُ فَاحْذَرُوْهُمْ:

قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلعم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "وہی ہے جس نے آپ پر یہ کتاب نازل کی جس میں چند محکم آیتیں موجود ہیں ......"[۵۳] پھر آپ نے فرمایا کہ جب تم اُن لوگوں کو دیکھو جو متشابہات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں تو وہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ نے ذکر کیا ہے۔ تو ان

---

[۵۲] الاتقان فی علوم القرآن، از جلال الدین سیوطی، ج ۲ ص ۲

[۵۳] پوری آیت مع ترجمہ اُوپر گزر چکی ہے۔

لوگوں سے بچ کر رہو۔[۵۴]

قرآن کی تعلیم ایک افضل ترین عمل

اس اعتبار سے ہر دور میں علمائے حق کی ضرورت رہتی ہے جو ایک طرف قرآنِ حکیم کی تعلیم اور اُس کے علوم و معارف کی نشر و اشاعت میں مشغول رہیں تو دوسری طرف گمراہ لوگوں اور باطل پرستوں کی سرکوبی کر کے اُن کی فتنہ سامانیوں کا تدارک بھی کرتے رہیں۔ اور اس اعتبار سے علمائے حق کی ذمہ داریاں دوچند ہو جاتی ہیں اور انہیں میدانِ عمل میں دو مکھی لڑائی لڑنی پڑتی ہے۔ اور یہ عمل ایک جہاد ہے۔ بلکہ جہاد فی سبیل اللہ کی اصل علمی جہاد ہی ہے، جس کا اصل مقصد اعلائے کلمۃ اللہ اور باطل کی سرکوبی ہے۔ اور جیسا کہ گزر چکا بعض روایات کے مطابق علم کی تدریس و تشہیر کو جہاد فی سبیل اللہ سے بھی افضل قرار دیا گیا ہے:

اَلْغُدُوُّ وَالرَّوَاحُ فِيْ تَعْلِيْمِ الْعِلْمِ اَفْضَلُ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنَ الْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: علم سکھانے کے لئے ایک صبح یا شام کا نکلنا اللہ کے نزدیک جہاد فی سبیل اللہ سے بھی زیادہ فضیلت والا عمل ہے۔[۵۵]

اور احیائے اسلام کی خاطر خصوصی علم کی تحصیل کرنے والا پیغمبروں کے مرتبے سے صرف ایک ہی درجہ نیچے ہوگا۔ گویا کہ وہ مرتبے میں تقریباً انبیائے کرام کے مساوی ہوگا۔

مَنْ طَلَبَ بَابًا مِنَ الْعِلْمِ لِيُحْيِيَ بِهِ الْاِسْلَامَ لَمْ يَفْضُلْهُ النَّبِيُّوْنَ اِلَّا بِدَرَجَةٍ: جو شخص احیائے اسلام کی غرض سے کوئی خاص علم حاصل کرے گا تو انبیاء اُس پر صرف ایک ہی درجہ فضیلت پائیں گے۔[۵۶]

غرض اسلام میں علم سیکھنے اور سکھانے سے افضل کسی چیز کا مقام و مرتبہ نہیں ہے۔ اور علم میں سب سے بہترین علم قرآن کا علم اور اُس کی تعلیم ہے، کیونکہ مسلمانوں کے دین اور اُن کی شریعت کا پورا دار و مدار اسی پر ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے:

---

[۵۴] بخاری کتاب التفسیر ۱۶۶/۵، ابو داؤد کتاب السنۃ ۶/۵، ترمذی کتاب تفسیر القرآن ۲۲۳/۵، صحیح ابن حبان کتاب العلم ۲۴۳/۱، دارمی ۵۵/۱

[۵۵] مسند فردوس، کنز العمال ۸۸/۱۰

[۵۶] ابن نجار، کنز العمال ۹۱/۱۰

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے : خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

بہتر شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔[۵۷]

قرآن حکیم مسلمانوں کی دینی و شرعی اور فکری و تمدنی تمام مسائل حیات میں مرکز و محور کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے قرآن حکیم کی تعلیم و تدریس اور اس کے علوم و معارف کی نشر و اشاعت کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اور کتاب اللہ کی یہی وہ اہمیت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے محض اس کتاب کو نازل کر دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کی تعلیم و تدریس کی ذمہ داری بنفسِ نفیس پیغمبرِ آخر زمان کو سونپی کہ وہ کتاب الٰہی کے رموز و اسرار اور اس کی باریکیوں سے لوگوں کو آگاہ کریں اور اپنے عمل سے اس کی مزید تشریح و توضیح کریں۔ اس اعتبار سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "معلمِ قرآن" بنا کر بھیجا گیا تھا، تاکہ لوگوں کی صحیح تربیت ہو اور اس سلسلے میں کسی قسم کا شبہ یا التباس باقی نہ رہ جائے۔

جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ : وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ایک رسول انہیں میں سے بھیجا جو انہیں اللہ کی آیات سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (جمعہ: ۲)

اور حدیث میں مذکور ہے:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الْقُرْآنَ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔[۵۸]

گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی عملی تطبیق کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اور اس کے رموز و نکات کی تشریح فرمایا کرتے تھے۔ اس اعتبار سے آپ نے صحابۂ کرام کی عملی تربیت بھی فرمائی اور انہیں قرآن کا علم بھی سکھایا۔ غرض اس عملی تطبیق کے سلسلے میں آپ نے جو کچھ فرمایا اور جو عملی تعلیم دی اور اس سلسلے میں خود اپنا جو اُسوۂ (نمونہ)

---

[۵۷] بخاری ۱۰۸/۶ ، ابوداؤد ۱۴۷/۲ ، ترمذی ۱۷۳/۵ ، ابن ماجہ ۷۷/۱ ، دارمی ۴۳۷/۲ ، ابن حبان ۲۸۱/۱ ، مسند احمد ۵۷/۱

[۵۸] مسند احمد ۱۵۷/۲

پیش کیا اُسی کا نام "حدیث" ہے، جس کو آیتِ بالا میں "حکمت" کہا گیا ہے۔ اس اعتبار سے حدیث شریف قرآنِ مجید کی عملی تطبیق و تشریح کا نام ہے۔ اسی بنا پر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا:

فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْآنَ : قرآن ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق تھا۔[۵۹]

یعنی آپ قرآن کا عملی نمونہ تھے۔ گویا کہ قرآن ایک نظریاتی چیز تھا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی زندہ اور چلتی پھرتی تفسیر تھے۔ ایک قرآن وہ تھا جو دو دفتیوں کے اندر محصور تھا اور ایک قرآن وہ تھا جو معاشرے کے درمیان چلتا پھرتا اپنے عمل کے ذریعہ قرآن کا نمونہ پیش کر رہا تھا اور لوگوں کو بتا رہا تھا کہ قرآنی زندگی کیا ہے اور اس پر کس طرح عمل کیا جائے! یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم صلعم کے اس اُسوۂ حسنہ کو ایک بہترین نمونہ اور آئیڈیل زندگی قرار دیتے ہوئے تمام مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ آپ اس اُسوہ (نمونے) کا اتباع کریں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ : تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں یقیناً ایک اچھا نمونہ موجود ہے، جو اللہ اور یومِ آخرت کی اُمید رکھتا ہو۔ (احزاب: ۲۱)

قرآن مُسلمانوں کے عروج و زوال کا باعث

غرض مُسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں قرآنِ حکیم کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ مسلمانوں کے تعلیمی نظام میں کتاب اللہ کو مرکزی مقام دیا جانا چاہئے۔ کیونکہ اہلِ اسلام کی دینی و دنیوی تمام سعادتوں کا دار و مدار اسی کتابِ حکمت سے ربط و تعلق پر ہے۔ لہٰذا ہمارا کوئی بھی نظامِ تعلیم جس میں قرآنِ مجید کی تعلیم شامل نہ ہو وہ ایک جسدِ بلا رُوح کی مانند ہے۔ مُسلمانوں کی کوئی قوم ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے اپنے نظامِ تعلیم سے قرآنِ حکیم کو خارج کر دیا ہو۔ یہ کتابِ حکمت اصلاً قوموں کے عروج و زوال کا باعث ہے۔ جو قوم اُسے مُنہ لگائے گی وہ بامِ عروج پر پہنچ کر رہے گی۔ اور جو اُس سے مُنہ چُرائے گی وہ زوال و ادبار سے دوچار ہوگی۔

---

[۵۹] صحیح مسلم ۵۱۳/۱

جیسا کہ خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے:

اَمَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ: ہاں تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ چند قوموں کو اوپر اٹھائے گا اور اس کے ذریعہ دوسروں کو پست کر دے گا (جو اس سے منہ موڑنے والے ہوں)۔

اور خاص کر فتنوں کے دور میں قرآن حکیم کو مضبوطی کے ساتھ تھام لینا چاہئے۔ کیونکہ وہ ان سے بچ نکلنے کا راستہ دکھاتا ہے۔ اور اس اعتبار سے اس کی حیثیت ایک منارۂ نور کی سی ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ سے مروی ہے:

اَمَا اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: سَتَكُوْنُ فِتَنٌ. قُلْتُ وَمَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا؟ قَالَ كِتَابُ اللّٰهِ، فِيْهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ، وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ، وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ، هُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ. هُوَ الَّذِيْ مَنْ تَرَكَهٗ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ. وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى فِيْ غَيْرِهٖ. اَضَلَّهُ اللّٰهُ. فَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ. وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ. وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ. وَهُوَ الَّذِيْ لَا تَزِيْغُ بِهِ الْاَهْوَاءُ:

ہاں تو دیکھو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ عنقریب فتنے ظاہر ہوں گے۔ میں نے پوچھا کہ ان فتنوں سے نکلنے کی سبیل کیا ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس صورت میں تم اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھام لو۔ جس میں تمہارے دور سے پہلے کے واقعات بھی ہیں اور تمہارے بعد والوں کی خبریں بھی۔ اور اس میں تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والی چیز بھی موجود ہے۔ وہ ایک قولِ فیصل ہے نہ کہ کوئی فضول چیز۔ جو کوئی اسے گھمنڈ کی بنا پر چھوڑے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے توڑ دے گا۔ اور جو کوئی اُسے چھوڑ کر کسی دوسری چیز سے ہدایت حاصل کرے گا تو اللہ اُسے گمراہ کر دے گا۔ وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے۔ وہ حکمت سے بھرپور تذکرہ ہے۔ وہی سیدھا راستہ ہے۔ اُسے (گمراہ لوگوں کی) خواہشات بدل نہیں سکیں گی (یعنی وہ تحریف و تغیر سے محفوظ رہے گا)۔

اس اعتبار سے قرآن ہر دور کے لئے فیصلہ کن کلام رہے گا اور ہر دور کے حالات اور تقاضوں کے

سنن دارمی ۲/۴۳۳، ابن ماجہ مقدمہ ۱/۷۹۔

ترمذی کتاب فضائل القرآن ۵/۱۷۲، دارمی کتاب فضائل القرآن ۲/۴۳۵۔

مطابق وہ مسلمانوں کی بھرپور ہدایت و رہنمائی کر سکتا ہے۔ کیونکہ خدائے علیم و خبیر نے ہر دور کے احوال و کوائف کا لحاظ کرتے ہوئے اسے کیل کانٹے سے پوری طرح لیس کر دیا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کا اس رہنما اور بے مثال کتابِ ہدایت کو چھوڑ کر غیر خدائی افکار و نظریات اور غیر خدائی قوانین و فلسفوں کی طرف توجہ کرنا نہایت درجہ محرومی اور کوتاہ فہمی کی دلیل ہے۔

نیز حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ فتنوں کے دور میں قرآن ہمیں جدھر لے جانا چاہے اُدھر گھوم جانا چاہئے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دُوْرُوْا مَعَ كِتَابِ اللّٰهِ حَيْثُ مَا دَارَ:

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تم کتاب اللہ کے ساتھ گھوم جاؤ وہ جدھر بھی گھومے۔

قرآنی علم کی نشر و اشاعت

غرض قرآنِ حکیم کو سمجھ کر پڑھنا، اس کے معانی و مطالب میں غور کرنا اور اس کی تعلیم و تدریس اور نشر و اشاعت میں مشغول ہونا سب سے بہترین عمل ہے، جو ہماری دینی و دنیوی نجات اور سعادت کا باعث ہے۔ لہٰذا اہلِ اسلام کو اس بے مثال کتابِ ہدایت سے تغافل برتنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کتابِ ہدایت کو ہم خود پڑھیں اور سمجھیں اور اپنے اہل و عیال کو بھی پڑھائیں اور سمجھائیں اور اس کی تعلیم و تدریس کے لئے جگہ جگہ خصوصی حلقے اور نشستیں قائم کریں۔ غرض اس کی تعلیمات کو عام کرنے کے جتنے بھی طریقے ہو سکتے ہیں وہ سب اختیار کئے جائیں، تاکہ قرآنی علم تمام طبقوں اور طبقوں میں پھیل جائے اور کم از کم اس کی بنیادی تعلیمات سے کوئی بھی شخص جاہل نہ رہ جائے۔ مسلمانوں کا یہ ایک ملی و اجتماعی فریضہ ہے جس سے غفلت نہیں کرنی چاہئے۔

اب آخر میں اس سلسلے کی چند مزید حدیثیں بیان کر کے یہ کتاب ختم کی جاتی ہے۔

لَا حَسَدَ اِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ، فَهُوَ يَقُوْمُ بِهٖ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا، فَهُوَ يُنْفِقُهٗ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ: رسول اللہ صلعم

مستدرک حاکم ۲/۱۳۸، دار المعرفۃ، بیروت۔

نے فرمایا کہ دو ہی افراد ایسے ہیں جن پر رشک کیا جا سکتا ہے: ایک وہ شخص جس کو اللہ نے قرآن (کا فہم) عطا کیا ہے اور وہ اُس کے مطابق دن رات کام کرتا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے کچھ مال دیا ہے جسے وہ دن رات خرچ کرتا ہے۔[٦٣]

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ وَاقْرَءُوْہُ وَارْقُدُوْا۔ فَاِنَّ مَثَلَ الْقُرْاٰنِ وَمَنْ تَعَلَّمَہٗ فَقَامَ بِہٖ کَمَثَلِ جِرَابٍ مَحْشُوٍّ مِسْکًا، یَفُوْحُ رِیْحُہٗ کُلَّ مَکَانٍ۔ وَمَثَلُ مَنْ تَعَلَّمَہٗ فَرَقَدَ وَھُوَ فِیْ جَوْفِہٖ، کَمَثَلِ جِرَابٍ اُوْکِیَ عَلٰی مِسْکٍ:

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قرآن سیکھو اور اسے پڑھو اور سو رہو (یعنی رات بھر نہ جاگو)۔ قرآن اور اُس شخص کی مثال جس نے قرآن سیکھا اور اُس کے مطابق کام کیا ایسی ہے جیسے ایک تھیلی جو مشک سے بھری ہوئی ہو اور اُس کی خوشبو ہر جگہ پھیل رہی ہو۔ اور اُس شخص کی مثال جس نے قرآن کا علم تو حاصل کیا (مگر اُس کے مطابق کام کئے بغیر) سو گیا اور قرآن صرف اُس کے سینے ہی میں رہ گیا تو وہ اُس تھیلی کی طرح ہے جس میں مشک بھر کر اُسے باندھ دیا گیا ہو۔ یعنی اُس کی خوشبو پھیلتی نہ ہو۔[٦٤]

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّ لِلّٰہِ اَھْلِیْنَ مِنَ النَّاسِ۔ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ ھُمْ؟ قَالَ ھُمْ اَھْلُ الْقُرْاٰنِ، اَھْلُ اللّٰہِ وَخَاصَّتُہٗ: رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ چند لوگ اللہ والے ہوتے ہیں۔ صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اصحاب قرآن، جو اللہ والے اور اُس کے خاص لوگ ہیں۔[٦٥]

اَفْضَلُ الصَّدَقَۃِ اَنْ یَتَعَلَّمَ الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ عِلْمًا ثُمَّ یُعَلِّمَہٗ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہتر صدقہ یہ ہے کہ ایک مُسلمان آدمی علم حاصل کرے اور پھر اُسے

---

[٦٣] مسلم کتاب صلاۃ المسافرین ۱/۵۵۸، بخاری کتاب فضائل القرآن ۶/۱۰۸، ابن حبان ۱/۲۸۶، ترمذی ۴/۳۳۰، ابن ماجہ ۲/۱۴۰۸، مسند احمد ۲/۹

[٦٤] ابن ماجہ ۱/۷۸

[٦٥] ایضاً، نیز مسند احمد ۳/۱۲۸

اپنے مُسلمان بھائی کو سکھائے۔[٦٦]

وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِنْ بُیُوْتِ اللّٰہِ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰہِ وَیَتَدَارَسُوْنَہٗ بَیْنَھُمْ، اِلَّا حَفَّتْھُمُ الْمَلَائِکَۃُ وَنَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ، وَذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ. وَمَنْ اَبْطَاَ بِہٖ عَمَلُہٗ لَمْ یُسْرِعْ بِہٖ نَسَبُہٗ:

اور کچھ لوگ جب اللہ کے کسی گھر میں قرآن کی تلاوت اور اُس کی باہمی تعلیم و تدریس کی غرض سے جمع ہو جاتے ہیں تو ملائکہ انہیں گھیر لیتے ہیں، ان پر سکونِ خاص اور رحمتِ الٰہی نازل ہوتی ہے۔ اور اللہ ان کا تذکرہ اپنے مقربین میں کرتا ہے۔ مگر جس شخص کو اُس کا عمل پیچھے کر دے اُس کا نسب اُسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔[٦٧]

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ: عَلِّمُوْا وَبَشِّرُوْا وَیَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تم لوگوں کو علم سکھاؤ، انہیں (جزائے خیر کی) خوشخبری سناؤ، اُن کے ساتھ آسانی کرو اور سختی سے پیش نہ آؤ۔[٦٨]

مَنْ دَعَا اِلٰی ھُدًی کَانَ لَہٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَہٗ، لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْئًا۔ وَمَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَۃٍ کَانَ عَلَیْہِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَہٗ، لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اٰثَامِھِمْ شَیْئًا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو ہدایت کی کسی بات کی طرف بلاتا ہے تو اُسے اُس کی اتباع کرنے والوں ہی کی طرح اجر دیا جائے گا اور لوگوں کے اپنے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اور جو کوئی لوگوں کو گمراہی کی طرف بلاتا ہے تو اس کی اتباع کرنے والوں کے گناہ بھی اُسی پر ہوں گے۔ اور خود ارتکاب کرنے والوں کے اپنے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔[٦٩]

---

[٦٦] ابن ماجہ ۱/۸۹

[٦٧] ایضاً ۱/۸۲

[٦٨] مسند احمد ۱/۲۳۹

[٦٩] صحیح مسلم کتاب العلم ۴/۲۰۶۰، صحیح ابن حبان ۱/۲۸۶

خَیْرُ مَا یُخَلِّفُ الرَّجُلُ بَعْدَہٗ ثَلَاثٌ: وَلَدٌ صَالِحٌ یَدْعُوْ لَہٗ، وَصَدَقَۃٌ تَجْرِیْ یَبْلُغُہٗ اَجْرُھَا، وَعِلْمٌ یُنْتَفَعُ بِہٖ مِنْ بَعْدِہٖ: کوئی شخص اپنے پیچھے جو بہتر چیزیں چھوڑ جاتا ہے وہ تین ہیں: (۱) نیک لڑکا جو اُس کے لئے دُعائے خیر کرتا رہتا ہے۔ (۲) صدقۂ جاریہ، جس کا ثواب اُسے پہنچتا رہتا ہے۔ (۳) اور ایسا علم جس کے ذریعہ لوگ اس کے بعد فائدہ اُٹھاتے رہیں۔[1]

اس اعتبار سے علم کی تعلیم و تدریس اور اُس کی نشر و اشاعت کی بڑی اہمیت ہے، جو انسان کے لئے اس کے مرنے کے بعد بھی فائدہ بخش چیز کی حیثیت سے باقی رہتا ہے۔ لہٰذا علم کی حفاظت اور اس کی نشر و اشاعت بہت ضروری ہے۔ کیونکہ علم ہی کی حفاظت میں دین کی بھی حفاظت ہے۔ اگر علم ضائع ہو جائے، یا اس میں کھوٹ اور ملاوٹ آجائے، یا اُس کے سوتے خشک ہو جائیں، یا اس پر اہلِ باطل کا غلبہ ہو جائے، یا وہ دُنیوی اغراض کے تابع ہو جائے، یا وہ معترضین کی چاند ماری کا شکار ہو جائے، یا اُس پر مخالفین کی یلغار ہو جائے تو پھر دین اور دیندار آفت اور فتنوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔ لہٰذا دین کی حفاظت اور دینداروں کی مدافعت کا واحد ذریعہ و راستہ علم صحیح کی حفاظت اور اُس کی پرورش ہے، تاکہ اسلامی معاشرہ ہر قسم کے شرور و آفات سے محفوظ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں اہلِ علم اور اہلِ ثروت پر بہت بڑی اور بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر کے اسلامی معاشرہ کی فلاح و بہبود کی غرض سے مشترکہ طور پر کام کریں اور ایسی یادگاریں قائم کریں جن سے نہ صرف ملّت کی بہبودی ہوگی بلکہ پوری ملّت کا اجر و ثواب بھی اس قسم کی یادگاریں قائم کرنے والوں کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ اسی کا نام "صدقۂ جاریہ" ہے جس کا تذکرہ اُوپر والی حدیث میں کیا گیا ہے۔

آخری بات

علم میں پختگی اور بصیرت پیدا کرنے کے لئے سمجھ بُوجھ، عقل و فہم اور فکر و تدبر وغیرہ سے کام لینا ضروری ہے۔ ورنہ سطحی علم کچھ زیادہ مُفید اور پائیدار نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ علم علم ہی نہیں ہو سکتا جس میں یہ علمی اوصاف نہ

[1] مسلم کتاب الوصیۃ ۳/۱۲۵۵، ترمذی کتاب الاحکام ۳/۶۶۰، ابو داؤد کتاب الوصایا ۳/۳۰۰، ابن ماجہ ۱/۸۸، ابن حبان ۱/۲۵۸، مسند احمد ۲/۳۷۲، بیہقی ۶/۲۷۸، نسائی ۶/۲۵۱، بخاری - الادب المفرد۔

پائے جائیں۔ صحیح سمجھ بُوجھ اور غور و فکر علم کے لوازم میں داخل ہیں۔ چنانچہ دورِ اول کے مُسلمان جب قرآنِ مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے تو علم کے ان اُصول و آداب کے مطابق کتاب اللہ کی تلاوت صحیح معنی میں کیا کرتے اور اُس کے احکام و ضوابط اور اُس کے حدود و شرائط سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے تاکہ انہیں اپنی عملی زندگی میں برت سکیں۔ مگر بعد کے مسلمانوں میں قرآن کو سمجھنے اور اُس کے معانی و مطالب پر غور کرنے کی یہ عادت باقی نہ رہی۔ بلکہ وہ قرآن کو اس طرح پڑھنے لگ گئے ہیں جس طرح کہ کوئی شخص درخت سے پتے جھڑا رہا ہو۔ چنانچہ اس کی ایک مثال حضرت ابن عمرؓ سے منقول ایک حدیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَوْفِ الشَّیْبَانِیِّ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ یَقُوْلُ، لَقَدْ عِشْنَا بُرْھَۃً مِنْ دَھْرِنَا وَاِنَّ اَحَدَنَا یُؤْتَی الْاِیْمَانَ قَبْلَ الْقُرْآنِ، وَتَنْزِلُ السُّوْرَۃُ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ، فَیَتَعَلَّمُ حَلَالَھَا وَحَرَامَھَا وَمَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُّوْقَفَ عِنْدَہٗ فِیْھَا، کَمَا تَعْلَمُوْنَ اَنْتُمُ الْقُرْآنَ. ثُمَّ قَالَ لَقَدْ رَاَیْتُ رِجَالًا یُؤْتٰی اَحَدُھُمُ الْقُرْآنَ فَیَقْرَاُ مَا بَیْنَ فَاتِحَتِہٖ اِلٰی خَاتِمَتِہٖ مَا یَدْرِیْ مَا آمِرُہٗ وَلَا زَاجِرُہٗ وَلَا مَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُّوْقَفَ عِنْدَہٗ مِنْہُ، یَنْثُرُہٗ نَثْرَ الدَّقَلِ:

قاسم بن عوف شیبانی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے دور کا ایک حصہ اس طرح گزارا کہ ہمارا ایمان نزولِ قرآن پر مُقدم تھا۔ پھر رسول اللہ صلعم پر جب کوئی سورت نازل ہوتی تو ہم میں سے ہر شخص حلال و حرام کی تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ اُن اُمور سے بھی واقف ہو جاتا کہ اُسے کہاں کہاں توقف کرنا چاہئے! جیسا کہ تم کو تعلیم دی جا رہی ہے۔ پھر میں نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جن کو قرآن (پورا بیک وقت) دیا جاتا ہے اور وہ اُسے شروع سے آخر تک پڑھ ڈالتا ہے، لیکن نہیں جانتا کہ اُس کے اوامر، اُس کے اسباق و بصائر اور اُس کے حُدود کیا ہیں؟ وہ اس طرح پڑھتا ہے جیسے کوئی شخص کھجور کے درخت کو ہلا کر کھجوریں جھڑا رہا ہو۔[1]

اس لئے ہر مُسلمان کو چاہئے کہ وہ روزانہ چند آیات کو سمجھنے کا معمول بنا لے۔ چنانچہ ایک حدیث میں مذکور ہے:

[1] المستدرک علی الصحیحین، حافظ ابو عبداللہ نیشاپوری، کتاب الایمان ۱/۳۵، ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین، ولا أعرف لہ علۃ ولم یخرجاہ۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ : خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي الصُّفَّةِ، فَقَالَ أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنْ يَغْدُوَ كُلَّ يَوْمٍ إِلَى بُطْحَانَ أَوْ إِلَى الْعَقِيقِ، فَيَأْتِيَ مِنْهُ بِنَاقَتَيْنِ كَوْمَاوَيْنِ فِي غَيْرِ إِثْمٍ وَلَا قَطْعِ رَحِمٍ؟ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ نُحِبُّ ذٰلِكَ. قَالَ أَفَلَا يَغْدُو أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَيَعْلَمَ أَوْ يَقْرَأَ آيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ خَيْرٌ لَهُ مِنْ نَاقَتَيْنِ. وَثَلَاثٌ خَيْرٌ لَهُ مِنْ ثَلَاثٍ. وَأَرْبَعٌ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَرْبَعٍ - وَمِنْ أَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْإِبِلِ.

عُقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم (اپنے حجرہ سے) باہر نکلے جب کہ ہم صُفّہ (مسجد نبوی کے اندر ایک چبوترہ) میں تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کون شخص یہ چاہے گا کہ وہ ہر دن صبح اُٹھ کر بطحان یا عقیق (مدینے سے قریب دو مقامات) سے بڑے کوہان والی دو اُونٹنیاں بغیر کسی گُناہ یا قطع رحمی کے (بالکل مفت میں) پکڑ کر لے آئے؟ ہم نے کہا یا رسول اللہ ہم (سب) یہ بات پسند کرتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ پھر ایسا کیوں نہیں کرتے کہ تم میں سے ہر شخص صبح اُٹھ کر مسجد آجائے اور کتاب اللہ کی دو آیتوں کا علم حاصل کرلے یا انہیں پڑھ لے۔ یہ چیز اس کے لئے دو اُونٹنیوں سے زیادہ بہتر ہے۔ تین کا علم تین اُونٹنیوں سے بہتر ہے اور چار کا چار سے۔ اسی طرح جتنی آیتوں کا علم حاصل کرے گا اتنے ہی اُونٹوں سے زیادہ بہتر ہے۔[42]

موجودہ دور صحیح معنی میں "کتابی علم" کا دور ہے۔ علم اگرچہ سینوں سے اُٹھتا جارہا ہے، مگر کتابوں کی نشر و اشاعت خوب ہو رہی ہے۔ اس اعتبار سے موجودہ دور میں انحصار علماء پر ہونے کے بجائے کتابوں پر ہوتا جارہا ہے۔ اور یہ بات عوام پر ایک حجت کا حکم رکھتی ہے۔ کیونکہ اب کسی شخص کو اس عذر کی گنجائش باقی نہیں رہی کہ وہ دین کے بارے میں کچھ نہیں جانتا یا وہ اس سے معذور ہے۔ کیونکہ علم کی اب اتنی بہتات ہوگئی ہے کہ کوئی بھی شخص تھوڑی سی رقم صرف کرکے کسی بھی موضوع سے متعلق معلومات حاصل کرسکتا ہے۔ اور حسب ذیل روایت میں غالباً اسی کثرتِ علم کے بارے میں پیشین گوئی ہے جو خدا کی طرف سے لوگوں پر ایک حجت ہے۔

[42] صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین ۱/۵۵۲ - ۵۵۳، ابوداؤد کتاب الصلاۃ ۲/۱۴۹، صحیح ابن حبان کتاب العلم ۱/۱۸۱، مُسند احمد ۴/۱۵۴

عَنْ أَبِي الزَّاهِرِيَّةِ يَرْفَعُ الْحَدِيثَ : إِنَّ اللّٰهَ قَالَ أَبُثُّ الْعِلْمَ فِي آخِرِ الزَّمَانِ، حَتّٰى يَعْلَمَهُ الرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ، وَالْعَبْدُ وَالْحُرُّ، وَالصَّغِيرُ وَالْكَبِيرُ، فَإِذَا فَعَلْتُ ذٰلِكَ بِهِمْ أَخَذْتُهُمْ بِحَقِّي عَلَيْهِمْ :

ابوزاہریہ حدیث کو مرفوعاً بیان کرتے ہیں (رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں آخر زمانے میں علم کو پھیلاؤں گا، یہاں تک اُسے مرد و عورت اور چھوٹا بڑا سب (اچھی طرح) جان لیں۔ پھر جب میں ایسا کر چکوں تو اُنہیں اپنے حق کی وجہ سے پکڑ دوں گا۔[43]

لہٰذا اس خدائی پکڑ سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ مُسلمان تحصیلِ علم سے غافل نہ ہوں۔ یہ دُنیا صرف چند روزہ ہے، اس کے بعد جو زندگی آنے والی ہے وہ دوامی اور غیر فانی زندگی ہوگی۔ جس کے لئے ہمیں موجودہ محدود زندگی میں تیاری کرنی ہے۔ خداوندِ کریم سے دُعا ہے کہ وہ ہم سب کو علم دین حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور خاص کر قرآنی علم سے ہمیں مالا مال فرمائے تاکہ ہم سعادتِ دارین سے ہم کنار ہوں۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ اللّٰھم آمین

۱۹/۶/۱۹۸۹ء

17/9/2000 IN-IJTAMAH-OF-ISLMABAD
SUN. 10:30 P.M

AN EXELLANT EFFORT TO PROMOT AND PREACH ISLAMIC KNOWLEDGE!

From a great Author!

[43] سُنن دارمی، مقدمہ ۱/۸۰، دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

فہرستِ مراجع

۱ - قرآن مجید
۲ - تفسیر قرطبی (الجامع لأحکام القرآن)، أبوعبداللہ محمد انصاری قرطبی۔
۳ - الاتقان فی علوم القرآن، علامہ جلال الدین سیوطی، مطبوعہ مصطفی البابی الحلبی وأولادہ، مصر ۱۳۹۸ھ۔
۴ - البرہان فی علوم القرآن، علامہ بدرالدین زرکشی، دارالمعرفۃ بیروت۔
۵ - صحیح بخاری، امام أبوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، مطبوعہ استانبول، ترکی، ۱۹۷۹ء
۶ - صحیح مسلم، امام أبوالحسین مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری، متوفی ۲۶۱ھ، مطبوعہ دارالافتاء ریاض (سعودی عرب)
۷ - موطا امام مالک، امام مالک بن أنس، م ۱۷۹ھ، مطبوعہ عیسی البابی الحلبی، مصر۔
۸ - سنن ابوداؤد، امام أبوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی ۲۷۵ھ، مطبوعہ حمص (شام)، ۱۳۸۸ھ۔
۹ - جامع ترمذی، امام ابوعیسی محمد بن عیسی ترمذی، م ۲۷۹ھ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی۔
۱۰ - سنن ابن ماجہ، امام أبوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی، متوفی ۲۷۵ھ، دارالفکر بیروت۔
۱۱ - سنن نسائی، امام أبوعبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی، م ۳۰۳ھ، دارالکتاب العربی بیروت۔
۱۲ - سنن دارمی، أبومحمد عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی، م ۲۵۵ھ، دارالکتب العلمیۃ بیروت۔
۱۳ - صحیح ابن حبان، حافظ ابوحاتم محمد بن حبان بستی، م ۳۵۴ھ، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت۔
۱۴ - المستدرک علی الصحیحین، حافظ ابوعبداللہ محمد بن محمد حاکم نیشاپوری، م ۴۰۵ھ دارالمعرفۃ بیروت۔
۱۵ - مسند أحمد، امام احمد بن حنبل شیبانی، م ۲۴۱ھ، دارالفکر بیروت۔
۱۶ - السنن الکبریٰ، حافظ ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی، ۴۵۸ھ مطبوعہ ملتان (پاکستان)
۱۷ - کنزالعمال، علامہ علاءالدین علی المتقی، م ۹۷۵ھ، مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدرآباد۔

وہ کتب جو کنزالعمال کے حوالے سے مذکور ہیں:۔

۱۸ - المعجم الکبیر (والصغیر والأوسط)، حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی، م ۳۶۰ھ۔
۱۹ - مسند فردوس، حافظ ابومنصور شہرزاد دیلمی ہمدانی، م ۵۵۸ھ۔
۲۰ - مسند ابویعلیٰ، حافظ احمد بن علی مثنیٰ تمیمی موصلی، متوفی ۳۰۱ھ۔
۲۱ - جامع بیان العلم وفضلہ، حافظ ابن عبدالبر نمری قرطبی، متوفی ۴۶۳ھ۔
۲۲ - تاریخ بغداد، حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی، م ۴۶۳ھ۔
۲۳ - حلیۃ الأولیاء، ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، م ۴۳۰ھ۔
۲۴ - الأدب المفرد، امام بخاری، م ۲۵۶ھ۔
۲۵ - العلل، ابوالفرج عبدالرحمان ابن جوزی تیمی قرشی، م ۵۹۷ھ۔
۲۶ - (الدرۃ الثمینۃ ؟) حافظ محب الدین ابوعبداللہ محمد بن نجار بغدادی، متوفی ۶۴۳ھ۔
۲۷ - (الطب النبوی ؟) حافظ ابوبکر احمد بن محمد دینوری ابن سنی، م ۳۶۳ھ۔
۲۸ - (تاریخ دمشق ؟) حافظ علی بن حسن ابوالقاسم ابن عساکر دمشقی، م ۵۷۱ھ۔
۲۹ - کتاب الضعفاء، حافظ ابوجعفر محمد بن عمرو عقیلی، م ۳۲۳ھ۔
۳۰ - فضل العلم، مرہبی۔
۳۱ - الکامل (فی معرفۃ الضعفاء والمتروکین من الرواۃ)، ابواحمد عبداللہ بن محمد المعروف بہ ابن عدی جرجانی، م ۳۶۵ھ۔
۳۲ - مسند بزاز، حافظ ابوبکر احمد بن عمرو بزاز بصری، م ۲۹۲ھ۔
۳۳ - سنن ابن لال، ابوبکر احمد بن علی بن لال ہمدانی شافعی، م ۳۹۸ھ
۳۴ - الابانۃ عن أصول الدیانۃ، حافظ ابونصر عبیداللہ بن سعید سجزی، م ۴۴۴ھ۔
۳۵ - مصنف ابن ابی شیبہ، حافظ عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ کوفی، م ۲۳۵ھ۔
۳۶ - (...... ؟) ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، م ۳۱۰ھ۔
۳۷ - سنن سعید بن منصور، حافظ سعید بن منصور خراسانی مکی، م ۲۲۷ھ۔
۳۸ - کتاب الأم، امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی قرشی مطلبی مکی، م ۲۰۴ھ۔
۳۹ - مجمع الزوائد، حافظ نورالدین ابوالحسن علی ہیثمی، م ۸۰۷ھ۔

۳۰ - شرح السنۃ، ابو محمد حسین بن مسعود بغوی، ۵۱۶ھ، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۰ھ۔

۳۱ - الرسالۃ المستطرفۃ، محمد بن جعفر کتانی، مطبوعہ پاکستان، ۱۳۷۹ھ۔

۳۲ - کشف الظنون، حاجی خلیفہ، منشورات مکتبۃ المثنیٰ بغداد۔

نوٹ:-

علامہ جلال الدین سیوطی نے "الجامع الصغیر" میں کتب حدیث کی نشاندہی کے لئے چند رموز مقرر کئے ہیں، جن کو "کنز العمال" کے مقدمہ میں ہوبہو نقل کر دیا گیا ہے۔ یہ تذکرہ بہت ہی مبہم اور ناکافی تھا۔ اس لئے راقم سطور نے "الرسالۃ المستطرفۃ" اور "کشف الظنون" وغیرہ کی مدد سے کنز العمال میں ذکر کردہ کتب حدیث اور محدثین کا تذکرہ تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ کیا ہے، جو طلبۂ حدیث کے لئے ایک تحفہ ہے۔ مگر جن کتابوں کے ناموں کی صراحت کے بغیر صرف محدثین کا ذکر کر دیا گیا تھا اُن کے سامنے اس طرح (۔۔۔۔ ؟) سوالیہ نشان لگا دیا گیا ہے۔

شہاب ندوی